یا اللہ مدد | حیات النبی زندہ باد | شان رسالت زندہ باد | اصل کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ زندہ باد | مقام امام اعظم ابوحنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی

بیاد
محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید حسین احمد مدنی — خلیفہ مجاز امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

پیام صفدر　　　　افادات: مولانا محبّ اللہ مدظلہم

تزکیۂ نفس کی اہمیت

چند روز قبل امام الاولیاء، شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز شیخ طریقت حضرت مولانا محبّ اللہ مدظلہم مولانا محمد حسن مدظلہم کی والدہ محترمہ کی تعزیت کے لیے لاہور تشریف لائے، اُن کی ایک مجلس کے متفرق ارشادات بطورِ اداریہ پیشِ خدمت ہیں۔ [ادارہ]

☆......حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ اور حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کی ایک مجلس کی گفتگو عرض کرتا ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کی قبولیت کے لیے اخلاص کو شرط قرار دیا ہے۔ اخلاص کے بغیر کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اور اخلاص بغیر چار چیزوں کے پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ چار چیزیں نہ ہوں تو اخلاص کے کھوکھلے نعرے یا اخلاص ہونے کا مغالطہ تو ہوسکتا ہے، لیکن اخلاص نہیں ہوسکتا۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

۱)۔ پہلی چیز ذکر اللہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر بکثرت کرے۔

۲)۔ دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عجائباتِ عالم میں غور وفکر۔ یہ ''فکر'' کثرتِ ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض۔''

۳)۔ تیسری چیز ذات باری تعالیٰ سے تعلق اور اس تعلق میں یکسوئی۔ یہ تعلق اور ''یکسوئی'' خدا تعالیٰ کی قدرت میں ''غور وفکر'' سے پیدا ہوتی ہے

۴)۔ چوتھی اور آخری چیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین۔ یہ یقین ذکر، فکر اور یکسوئی کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ جب بندے کے دل میں یہ یقین پیدا ہوجاتا ہے تو پھر اِس ''یقین'' پر اخلاص مرتب ہوتا ہے۔ اور یہی ''اخلاص'' تمام اعمال کی قبولیت کے لیے شرط ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر نظر دوڑائی جائے تو بعثت سے قبل یہی ترتیب نظر آتی ہے۔ پہلے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ پھر غور وفکر اور تدبر کی نوبت آئی۔ پھر خدا تعالیٰ کی سے تعلق میں یکسوئی پیدا ہوئی۔ یہی یکسوئی جبل نور اور غار حرا پر لے جاتی۔ اس سے ایسا یقین پیدا ہوا کہ دشوار گزار بلند وبالا پہاڑی پر توشہ سمیت تشریف لے جاتے۔ جس پر ہم جیسوں کے لیے آج

سیڑھیاں بن جانے کے باوجود چڑھنا مشکل ہے۔ان چار چیزوں میں کمال کے بعد منصب نبوت عطا ہوا۔

☆......اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد اربعہ قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں، اُن سب پر عمل ضروری ہے۔ ورنہ کامیابی ممکن نہیں۔ وہ مقاصد یہ ہیں: تلاوتِ قرآن، تعلیم قرآن، حکمت (احادیثِ مبارکہ) اور تزکیہ۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا مرتبہ ہے۔ کسی ایک سے بھی لاپرواہی اور غفلت نہیں برتی جاسکتی ہے۔ نہ ہی کسی ایک کی طرف سے باقی مقاصد کفایت کر سکتے ہیں۔

محض تلاوت ہو تو اُس ''زاہد'' جیسا حال ہوگا جو بہت عبادت گزار تھا لیکن مسائل دینیہ سے بالکل ناواقف۔ ایک روز ایک چوہا نظر آیا تو مار ڈالا۔ بعد میں فکر دامن گیر ہوئی کہ میں نے ناحق قتل کیا۔ اس کے ازالے کے طور پر اس چوہے کو کپڑے میں باندھ کر دھاگے سے اپنے گلے میں لٹکالیا۔ اس زاہد کا دوسرا بھائی عالم تھا، اور اپنے علاقہ سے دُور تھا۔ جب واپس آیا تو بھائی کے گلے میں لٹکے ''تعویذ'' کی بابت دریافت کیا۔ اُس نے قصہ سنادیا۔ عالم بھائی نے کہا: بندۂ خدا! (خود لاعلم تھا، تو کسی سے پوچھ لیتا۔) یہ چوہا تو اگر کنویں میں گر جائے تو پورے کنویں کو ناپاک کر دیتا ہے۔ اور تو نے اپنے گلے میں لٹکالیا۔ اس عرصے میں جتنی نمازیں تم نے پڑھیں، سب ضائع گئیں۔۔!!

اِسی طرح اگر تفسیر وحدیث کا علم ہو لیکن قرآن صحیح نہ پڑھ سکتا ہو تو بھی نمازیں خراب کرے گا۔ جیسا کہ بعض دیہاتی علماء قرآن پڑھتے ہیں۔ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے کہ پشتو میں قرآن پڑھ رہے ہیں۔ (نہ مخارج کا خیال، نہ صفات کا۔ نہ اور قواعد کا۔ لہجہ اور لحن تو بہت دُور کی بات ہے۔)

یہی حال تزکیے کا ہے۔ (اگر فقط تزکیۂ نفس کے پیچھے لگا رہا، اور صحیح تلاوت وادائیگی کی کوشش اور دینی مسائل سے واقفیت حاصل نہ کی تو بھی اُس ''زاہد'' جیسے کارنامے سرانجام دیتا رہے گا۔) اور اگر تلاوت بھی صحیح ہو، تفسیر وحدیث کا علم بھی ہو، لیکن تزکیہ نہ ہو تو بھی شیطان کے حملے کی زد میں رہے گا۔ نفس بھی گمراہ کرتا رہے گا۔ (اِس لیے عرض کیا ہے کہ ان مقاصد اربعہ میں سے ہر ایک کی مستقل اہمیت ہے۔ کسی ایک کو بھی نظر انداز کر کے کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔)

☆......(انسان کی اصلاح کے حوالے سے تصفیہ اور تزکیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ تصفیہ کا تعلق دِل سے ہے اور تزکیہ کا تعلق نفس سے۔) تصفیۂ قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ اور تزکیہ نفس مرشد کامل کی صحبت سے۔ اس کے چند دلائل:

۱)۔ ذکر اللہ کی کثرت کے باعث شیطان کا تصفیہ قلب تو ہو چکا تھا، لیکن اُسے مرشد نہ ملا تو تزکیہ نفس نہ ہوسکا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: شیطان نے ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، سو دو سو نہیں، ہزار

دو ہزار نہیں، لاکھوں کروڑوں سال اللہ تعالیٰ کی بے ریا عبادت کی۔ کہ اس کا لقب ''طاؤس الملائکہ'' ٹھہرا۔ اور عالم اتنا بڑا کہ ''معلم الملائکہ'' کہلایا۔ بکثرت عبادت کے باعث اس کے دل کا تصفیہ تو ہوگیا تھا، لیکن نفس کا تزکیہ نہ ہوسکا۔ اس لیے جب حکم سجدہ ملا تو نفس نے سر اُٹھایا۔ اور ہمیشہ کے لیے نامراد ہوگیا۔ کروڑوں سال کی ''بے ریا'' عبادت بھی ضائع چلی گئی۔

علم ومطالعہ اور ذکر وعبادت، ان میں سے کسی بھی چیز سے ''تزکیہ'' نہیں ہوسکتا۔ بڑے سے بڑا عالم، صاحب مطالعہ اور باعمل، ذاکر وشاکر آدمی مرشد کے بغیر ادھورا ہے۔ اس لیے کہ ان چیزوں سے ''تزکیہ'' نہیں ہوگا۔ اور جب تک تزکیہ نہ ہو، کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: جو اپنے آپ کو کسی مرشد کامل کے سپرد کر کے اپنی لگام اس کے ہاتھ میں نہ دے اسے شیطان کسی وقت بھی گمراہ کرسکتا ہے۔ وہ شیطان کا آسان شکار ثابت ہوگا۔

آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ جو عالم کسی مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر باقاعدہ سلوک نہ طے کرے، وہ ایک نہ ایک دن ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہوجائے گا۔ قادیانیت، آغاخانیت، مماتیت، پرویزیت (غامدیت وجدیدیت) وغیرہ۔ کسی نہ کسی فتنے میں مبتلا ہوجائے گا۔

۲)۔ تزکیہ کی نسبت قرآن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

۳)۔ تزکیہ والے کی کامیابی کو گیارہ قسموں کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اللہ پاک نے گیارہ قسمیں کھا کر فرمایا: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا.'' اِس سے معلوم ہوا کہ تزکیہ کے ساتھ کامیابی یقینی ہے۔

۴)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعلیٰ وارفع مقام اِسی تزکیہ کی وجہ سے ہے (کہ اُن کے مرشد کامل تھے، جس کے باعث تزکیہ بھی اسی درجے کمال کا ہوا۔ تزکیہ نفس کا تعلق کیونکہ مرشد سے ہے۔ اس لیے جس قدر مرشد اعلیٰ، اسی قدر تزکیہ بھی اعلیٰ۔ صحابہؓ کے مرشد جیسا مرشد کسی کو نہیں مل سکتا۔ اِسی لیے اُن جیسا تزکیہ کسی کا نہیں ہوسکتا۔ جب کسی کا تزکیہ اُن جیسا نہیں ہوسکتا تو اُن جیسا مقام ومرتبہ بھی کسی کو نہیں مل سکتا۔)

صحابہ کرام کے زمانے میں شیاطین دنیا میں آتے، مگر اپنے رجسٹر خالی واپس لے کر جاتے۔ کوئی کارنامہ اس میں درج نہیں ہوتا تھا۔ اور جا کر کہتے کہ: زمین کے ایک حصے پر ایسے لوگ آئے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی وار اُن پر اثر نہیں کرتا۔ ہم اُن سے کوئی گناہ ومعصیت کرانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

☆......انسان کے دو دشمن ہیں۔ ایک نفس دوسرا شیطان۔ ان دونوں میں چار فرق ہیں۔

۱)۔ پہلا واضح فرق یہ ہے کہ نفس اندرونی دشمن ہے، شیطان بیرونی۔

۲)۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ شیطان ضعیف دشمن ہے، اور نفس طاقتور۔ اللہ پاک شیطان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ان کید الشیطن کان ضعیفا'' کہ شیطان کا مکر یقیناً کمزور ہی ہے۔ جبکہ نفس کے

بارے میں ارشاد ہے: ''ان النفس لامارة بالسوء'' جملہ اسمیہ تاکید اور مبالغے کے صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کی سرکشی بہت زیادہ ہے۔

۳)۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ شیطان چالاک دشمن ہے، جبکہ نفس ضدی دشمن ہے۔ شیطان نمازی انسان کو کبھی یہ نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھو! وہ سمجھتا ہے کہ اِس طرح یہ قابو میں نہیں آئے گا۔ وہ حیلے بہانوں سے اُسے نماز سے دُور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور نفس ''ضدی'' اِس طرح ہے کہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ شخص فلاں کام سے بالکل نہیں رُکے گا، لیکن پھر بھی ضد کرتا ہے، اور اُس پر سستی غالب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۴)۔ چوتھا فرق یہ ہے کہ شیطان کافر تھا، ہے اور رہے گا، کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جبکہ نفس مسلمان ہوسکتا ہے۔ ''امارہ'' سے ''لوامہ'' بن جاتا ہے۔ اور پھر ''مطمئنہ'' بھی بن سکتا ہے۔

اور یاد رکھو کہ: نفس مسلمان ہوجائے تو شیطان کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ اس لیے کہ:

ا۔ شیطان بیرونی دشمن ہے، اور نفس اندرونی۔ اور بیرونی دشمن اندرونی دشمن کی مدد کے بغیر کامیابی نہیں پاسکتا۔

۲۔ شیطان کمزور دشمن ہے، نفس طاقتور۔ اور کمزور دشمن طاقتور کی مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

جب نفس ہی مسلمان ہوگیا تو شیطان کا بیڑہ غرق ہوگیا اور وہ ناکام و نامراد رہ گیا۔

☆...... جب نفس مسلمان (مطمئن) ہوجائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانچ انعامات ملتے ہیں:

۱)۔ پہلا انعام یہ کہ: ''ارجعی الی ربك'' آجاؤ۔ اللہ پاک کا اپنی طرف بلانا بہت بڑی نعمت ہے۔

۲)۔ دوسرا انعام یہ کہ: ''راضية'' تو اللہ سے راضی رہے گا۔

۳)۔ تیسرا انعام یہ کہ: ''مرضية'' اللہ بھی تجھ سے راضی رہے گا۔

۴)۔ چوتھا انعام یہ کہ: ''فادخلی فی عبادی'' میرے نیک بندوں میں داخل ہوجاؤ۔ جنت میں داخلہ موقوف ہے نیک لوگوں میں شمولیت پر۔ اِس لیے یہ نہیں فرمایا کہ: پہلے جنت میں داخل ہوجاؤ، پھر نیک لوگوں میں شامل ہوجاؤ! نہیں! بلکہ پہلے نیک لوگوں میں شامل ہوجاؤ۔ پھر جنت میں داخلہ ہوگا۔

انبیاء کی دعائیں قرآن پاک میں منقول ہیں۔ انہوں نے نیک لوگوں کا ساتھ اور ان کی معیت اللہ پاک سے مانگی۔ (ابراہیم علیہ السلام کی دعا: ''رَبِّ هَبُ لِیُ حُكُمًا وَّاَلۡحِقۡنِیُ بِالصَّالِحِینَ'' اور) یوسف علیہ السلام کی دعا: ''تَوَفَّنِیُ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِیُ بِالصَّالِحِینَ'' اور سلیمان علیہ السلام کی دعا: ''وادخلنی برحمتك فی عبادك الصَّالِحِینَ'' (اور ایمان و نیک اعمال والوں کے لیے بطورِ انعام فرمایا: ''والذین

آمنوا وعملوا الصالحات لندخلنهم فی الصالحین.''اور ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:''وانه فی الآخرة لمن الصَّالِحِینَ.'')

حضرت حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: نیک لوگوں میں شمولیت دخولِ جنت سے بھی بڑا انعام ہے۔

۵)۔اور پانچواں انعام یہ کہ: ''وادخلی جنتی.''اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

☆......یاد رکھو! دین مدرسوں سے نہیں ملتا، مدرسے سے تو دین کی معلومات ملتی ہیں۔دین تبلیغ سے بھی نہیں ملتا،تبلیغ سے دین کی اشاعت ہوتی ہے۔دین جہاد سے بھی نہیں ملتا، جہاد سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔دین صرف خانقاہ سے ملتا ہے۔(یہ حقیقت ہے۔اسے تعصب پر محمول نہ کیا جائے۔)مدارس سے دین کی معلومات ملتی ہیں۔تبلیغ سے دین کی اشاعت ہوتی ہے۔جہاد اور دینی سیاست سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔بیرونی دشمنوں سے حفاظت جہاد کے ذریعے اور اندرونی دشمنوں سے حفاظت دینی سیاست کے ذریعے ہوتی ہے۔جبکہ دین خانقاہ سے ملتا ہے۔خانقاہ سے دین کی معلومات نہیں ملتیں، دین کی اشاعت نہیں ہوتی، دین کی حفاظت نہیں ہوتی۔لیکن دین ضرور ملتا ہے۔(عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ)ہر چیز کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔مدرسہ نہ ہو تو دین کی معلومات نہیں ہوں گی۔تبلیغ نہ ہو تو دین کی اشاعت نہیں ہوگی۔جہاد اور دینی سیاست نہ ہو تو دین کی حفاظت نہیں ہوگی۔اور خانقاہ نہ ہو دین کی عملی شکل نہیں ہوگی۔

☆......☆......☆......☆

وفیات

......قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی بھتیجی رحمہا اللہ(اہلیہ ماسٹر افضل صاحب)[چکوال]

......حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ[لاہور]

......حضرت مولانا مفتی احتشام الحق آسیابادی رحمہ اللہ[مکران، بلوچستان]

......مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہم کی چچی، مفتی عبدالعظیم ترمذی صاحب کی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ

......جامعہ قاسمیہ لاہور کے طالب علم عظمت علی اور حمزہ جان کے دادا محترم رحمہ اللہ[لاہور]

......محترم جناب حاجی عبدالعزیز صراف صاحب رحمہ اللہ[اچھرہ، لاہور]

......جامعہ اہل سنت تعلیم النساء چکوال کی معلّمہ رحمہا اللہ[ساکنہ بھیں ضلع چکوال]

......مولانا قاری عبیداللہ صاحب کے چھوٹے بھائی قاری عطاء اللہ صاحب رحمہ اللہ[بھکر]

......عبدالرزاق صاحبؒ ولد عبدالکریم صاحب[جنہان، سندھ]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔[ادارہ]

مولانا عبدالرحیم چاریاری

مجالس ذکر......اور......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ایک انتہائی اہم، ذیشان اور مقصودی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام الٰہی میں کسی بھی عبادت کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ: ''فلاں عبادت بہت زیادہ کرو!'' لیکن ذکر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً." ۔اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اس کے علاوہ بھی قرآن وسنت میں ذکر اللہ کے فضائل اِس کثرت اور تاکید سے وارد ہیں کہ ذکر اللہ کی اہمیت اور فضیلت کا انکار یا اس کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے مودودیانہ، مماتیانہ یا غیر مقلدانہ حوصلہ درکار ہے۔ کوئی سنّی ذکر اللہ کی اہمیت سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ''فضائل ذکر'' میں لکھتے ہیں:

> ''درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے، جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، آسمان وزمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے ہے جو سراپا ذکر ہے۔'' [فضائل اعمال: ۴۴۳]

لیکن دیگر عبادات کی طرح اِس عظیم الشان عبادت کے ''عبادت'' ہونے کے لیے بھی کچھ شروط و قیود ہیں۔ تاکہ اِسے بدعت ہونے سے بچایا جاسکے۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ ہم کوئی مودودی نہیں ہیں کہ ذکر اللہ کی افادیت واہمیت سے ہی انکار کردیں، یا مماتی وغیر مقلد نہیں کہ ذکر اللہ کی جائز صورتوں کی مخالفت پر بھی کمر کس لیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم بریلوی اور بدعتی بھی نہیں ہیں کہ اپنا حلقہ بڑھانے کی خاطر جابجا ''اجتماعی ذکر بالجہر'' کی مجالس قائم کرکے اُن کے لیے تداعی جیسی بدعت کا اہتمام شروع کردیں۔ ہم الحمدللہ اُن اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے پیروکار ہیں جنہوں نے کسی مقام اور کسی موڑ پر بھی نہ سنت کو چھوڑا اور نہ جماعتِ صحابہؓ کے طریقے کو۔ بلکہ شریعت کا مزاج سمجھ کر ہر چیز کو اُس کی جگہ پر رکھا۔ اور افراط وتفریط کی دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

کچھ عرصہ سے دیوبندیت اور اکابر دیوبند کے نام لیوا بعض حضرات نے مجالس ذکر میں اکابر اہل سنت کے طریقے کو چھوڑ کر اہل بدعت کا طریقہ اختیار کرلیا ہے۔ اور اس کے جواز اور اثبات کے لیے لایعنی

دلائل، باطل تاویلات، بے جا استدلالات اور خلط مباحث سے کام لے کر مضامین، کتابچوں اور مفصل کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حضرات مروجہ مجالس ذکر جن میں وقت وجگہ کی تعیین کے ساتھ تداعی اور اہتمام وبا قاعدگی بھی ہوتی ہے، (اور یہ حضرات اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔) اس کی ایک مثال بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے نہیں پیش کر سکتے، حالانکہ ذکر کے مجامع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بھی تھے۔ اسی طرح تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور چودہ سو سالہ اسلافِ امت میں ذکر کے مجامع موجود رہے۔ لیکن مروجہ مجالس ذکر کی کوئی مثال اُن کے ہاں نہیں ملتی۔ خصوصاً اکابر دیوبند حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، قطب الارشاد حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حکیم الامت حضرت تھانوی، شیخ العرب والعجم حضرت مدنی اور برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قسم کی مجالس ذکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔

مگر اَب حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے بعض خلفاء اور حضرتؒ کے بعض نام لیواؤں نے ’’اجتماعی مجالس ذکر بالجہر‘‘ اور ان کے لیے تداعی کے اہتمام کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، جو حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اِن حضرات نے اپنے بیانات، مضامین اور کتب میں ’’مطلق ذکر بالجہر‘‘ اور ’’اجتماعی ذکر بالجہر‘‘ کو ایسا خلط ملط کیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ حالانکہ ’’ذکر خفی‘‘ اور ’’ذکر جہری‘‘ کا باہمی تعلق اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ جبکہ ’’اجتماعی ذکر بالجہر‘‘ اور ’’مجامع ذکر‘‘ میں نسبت جواز اور عدم جواز کی ہے۔ ذکر بالجہر کے متعلق مفکر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں:

’’یاد رکھیں! کہ قیامِ قیامت تک اور ہر حال میں افضل ذکر ’’ذِکرِ خفی‘‘ ہے۔ اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔...... ہاں! ذکر بالجہر بھی جائز ہے، لیکن ہمارے بزرگ ذکرِ خفی ہی کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔‘‘ [ذکر اللہ کے فضائل:۲۲]

جبکہ مروجہ مجالس ذکر کے نتائج کے حوالے سے مولانا عثمانی ہی لکھتے ہیں:

’’امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کے پاس مصر کا بڑا عظیم الشان مدرسہ تھا جس میں بڑے جلیل القدر اہل علم پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، اب بھی یہاں درس اور ذکر کے کچھ حلقے ہوتے ہیں، لیکن باقاعدہ مدرسہ کی شکل باقی نہیں رہی، جب ہم مزارات سے فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو مسجد میں ذکر بالجہر کا ایک حلقہ ہو رہا تھا، لیکن اب یہ چیزیں رسوم کی حد تک باقی رہ گئی ہیں، اتباعِ سنت کا اہتمام جو ذکر وعبادت کی رُوح ہے، خال خال ہی کہیں نظر آتا ہے۔ فإلی اللہ المشتکیٰ۔‘‘ [جہانِ دیدہ:۱۳۹]

مجالس ذکر پر یادگارِ اسلاف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ نے عام فہم انداز میں بہت عمدہ کلام فرمایا ہے جو ’’ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات‘‘ کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ ’’ذکر جہری‘‘ کے

شرعی حکم سے متعلق امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی دو کتب ''اخفاء الذکر'' اور ''حکم الذکر بالجہر'' بھی لائق مطالعہ ہیں۔ اِسی طرح مرشدی قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، فقیہ وقت ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ اور ترجمان اہل حق حضرت مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم کی تحریرات ہماری مرتبہ کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' میں شامل ہیں۔ جن کا خلاصہ یہی ہے کہ ذکر افضل ترین عبادت ہے۔لیکن انفرادی عبادت ہے، اجتماعی نہیں۔اور ذکر میں ''ذکر خفی'' افضل ہے۔ذکر بالجہر صرف اُسے کرنا چاہیے جسے اُس کا مرشد بطورِ علاج بتائے۔اُس کے لیے وہی بہتر ہے۔اجتماعی ذکر کی کوئی مثال اگر ہمارے اکابر کے ہاں پائی جاتی ہے تو وہ صرف تعلیماً ہے۔(اور اس کی اپنی شرائط ہیں۔) چنانچہ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ مجلس ذکر کا سلسلہ آخر میں ختم فرمادیا تھا اور فرمایا تھا کہ: ''ہم صرف تعلیم کے لیے یہ مجلس قائم کرتے ہیں۔''

زیرِ نظر مضمون میں ذکر بالجہر اور اجتماعی ذکر بالجہر کے حوالے سے برکۃ العصر، ریحانۃ الہند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا موقف اُن کے مکاتیب کی روشنی میں لکھا جارہا ہے، تاکہ اہل سنت عوام وخواص حضرت رحمہ اللہ کے موقف سے آگاہ ہوسکیں۔اور حضرت کے سلسلہ کے بعض وہ حضرات جو مروجہ مجالس ذکر کی تائید کرتے ہیں وہ بھی اپنے موقف پر نظرِ ثانی فرماسکیں۔واللہ المؤفق.

(۱)......حضرت رحمہ اللہ ذکر بالجہر کے بارے میں احتیاط کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ذکر کے متعلق میں نے متعدد احباب کے خطوط میں لکھا کہ وہاں (حج کے موقع پر) جہر نہ کیا جائے۔خوامخواہ کوئی رستے چلتا دیکھ کر مخالفت کرے۔اپنے مقامات پر تخلیہ کی جگہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ورنہ آہستہ کیا جائے۔[مکتوبات حضرت شیخ الحدیثؒ: ۱/۲۰۷]

حضرت رحمہ اللہ ''اپنے مقامات پر'' کے ساتھ ''تخلیہ'' (علیحدگی) کی شرط لگا رہے ہیں کہ جن کو اپنے مرشد کی طرف سے ''ذکر بالجہر'' کی اِجازت ہے، وہ اپنے مقامات پر علیحدگی میں کریں۔اور یہ کہ کہیں مخالفت اور فتنے کا خدشہ ہو تو مرشد کی اجازت کے باوجود وہاں انفرادی جہر پر بھی اِصرار نہ کیا جائے۔

(۲)......مسجد میں ذکر بالجہر کو ''بدعتی صورت'' سے بچانے کی تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسجد میں ذکر بالجہر سے کچھ مضائقہ نہیں۔بشرطیکہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے سونے میں خلل نہ پڑے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کا ایسا اہتمام نہ کیا جائے جس سے بدعتی صورت پیدا ہوجائے۔''[مکتوبات: ۲/۴۷۵] (نوٹ: سائل کا سوال انفرادی ذکر بالجہر سے متعلق ہے۔ناقل)

یعنی انفرادی طور پر ذکر بالجہر کی تو اجازت ہے، لیکن اِس انفراد میں بھی ایسا اہتمام نہ ہو کہ بدعتی صورت پیدا ہوجائے۔مثلاً سب ذاکرین اِس بات کا اہتمام کرنے لگیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ جمع ہوکر اپنا

اپناذکر کیا کریں گے۔اِس ''اہتمام'' سے بدعتی صورت پیدا ہوجائے گی۔

(۳)......حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس ذکر سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس ناکارہ کو تو یہ معلوم نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حلقہ کے ذکر کی کیا صورت ہے۔لیکن اجتماعی ذکر (ذکر کے مجمع [ناقل]) میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ایک جگہ جمع ہوکر لوگ اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرتے رہیں۔ یہ کئی نوع سے موجب تاثیر ہے۔لیکن حلقہ (اجتماعی ذکر بالجہر [ناقل]) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔اپنے ذہن میں ہمیشہ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ اس صورت میں ذکر کی طرف توجہ تام کے بجائے عوارض کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔'' [مکتوبات:۴۹۴/۲]

اس مکتوب گرامی میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ صاف طور پر لکھ رہے ہیں کہ: حلقہ (اجتماعی ذکر بالجہر) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔اِس وضاحت اور صراحت کے باوجود حضرت رحمہ اللہ کے خلفاء کا مروجہ مجالس ذکر کا اہتمام کرنا اور ان کے لیے تداعی کو مستحب قرار دینا حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

(۴)......اجتماعی ذکر بالجہر سے متعلق حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا استفسار اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں جماعت کے امیر صاحب نے اہتمام ذکر کی تجویز کی ہے اور تقریباً ۲۶/آدمیوں نے اس کے لیے نام پیش کیے ہیں، مغرب کے بعد لوگ ذکر کریں گے۔ان کی تین جماعتیں بنادی گئی ہیں، ۶/روز مرکز میں برابر ذکر ہوا کرے گا اور ساتویں روز اجتماع کا ہے، اس روز اخیر میں سب یکجائی ذکر کریں گے اور اس کی ذمہ داری اِس ناکارہ کے سر ڈالی ہے۔''

جواب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ:

''دل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح جاری ہوجائے۔اللہ تعالیٰ شانہ مدد فرمائے۔اور خدا کرے کہ آپ کے ہی ذریعہ یہ سلسلہ چلے۔اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو مثلاً یہ ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو، علیحدہ علیحدہ نشستیں تجویز کریں۔اِس کو آپ خود ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت یہاں بھی نہ ہو، مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے ہیں اس میں مضائقہ نہیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

''......بعض لوگ کسی سے بھی بیعت نہیں۔ان سب کے لیے احقر پریشان ہے کہ کیا کرے بغیر بیعت کے

ذکر جہر مناسب ہے یا نہیں؟''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: ''مناسب نہیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ بھی لکھا کہ: ''سوم کلمہ، درود شریف، استغفار میں تو غالبًا مضائقہ نہ ہوگا۔''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: ''جہر سے نہ ہو۔'' [تربیت السالکین :۱۵۶۔۱۵۷]

غور فرمائیے! کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کو ایک محدود سطح پر چند مخصوص حضرات ذاکرین کا نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے سوم کلمہ، استغفار اور درود شریف کو بھی جہراً پڑھنے سے منع فرمادیا۔ جو ذاکرین کسی سے بیعت نہیں تھے۔ ان کو جہر کرانے کو بھی نامناسب لکھا۔ اور جو باقاعدہ کسی کے مرید تھے، اور ذکر بالجہر کی اجازت حاصل تھی، اُن کے بارے میں یہ شرط رکھی کہ اجتماعی طور پر نہ کریں، بلکہ انفرادی طور پر ہر ایک اپنا اپنا ذکر کرتا رہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بعض متعلقین سے سوال:

اب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بعض خلفاء (اور بعض وہ حضرات جو حضرت رحمہ اللہ سے خلافت کے مدعی ہیں) فرمائیں کہ:

[۱]......آپ حضرات ملک بھر کے عوامی اجتماعات میں بیان کے بعد سارے مجمع کو ذکر بالجہر کراتے ہیں۔ کیا یہ عمل آپ کے مرشد کی تعلیمات کے مطابق ہے؟

[۲]......اسی طرح آپ حضرات کے مراکز وخانقاہوں میں ''اجتماعی ذکر بالجہر'' کی باقاعدہ مجالس منعقد ہوتی ہیں، جن کے لیے اشتہارات واعلانات کے ذریعے تداعی بھی ہوتی ہے، کیا یہ سب حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے مزاج وذوق اور اُن کے موقف ونظریے کے خلاف نہیں؟

[۳]......آپ حضرات اپنے خلفاء، متوسلین ومتعلقین کو اجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس منعقد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، کیا ایسا کر کے آپ اپنے شیخ رحمہ اللہ کے طریقے سے روگردانی نہیں کر رہے؟

اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر آپ کے پاس دو ہی راستے ہیں: (۱) یا تو اخلاص وعاجزی اور اپنے شیخ کی کامل اتباع کا اظہار کرتے ہوئے اپنے طرز عمل اور موقف کو حضرت شیخ رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق ڈھالیے۔ (۲) اور یا پھر اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مجالس کا انعقاد حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نام پر کرنے کی بجائے اپنے نام پر کریں۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینے کی پالیسی ترک کر کے صاف صاف بات کریں۔

اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی تمام فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ اور اہل سنت کو تمام داخلی وخارجی فتنوں کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم

مکتوب سلیم...... بنام مولانا محمد احمد حافظ صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم مولانا محمد احمد حافظ زید مجدکم   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مخلصانہ انتہائی طویل خط موصول ہوا۔ احقر نے باوجود اتنی طول طویل تحریر سے توحش کے اسے بغور پڑھا۔ اس پر خوشی ہوئی کہ آپ نے صفائی کے ساتھ اپنا مافی الضمیر بیان کر دیا۔ خط میں مجھ سے متعلق جس محبت کا اظہار کیا گیا ہے وہ آپ کا حسنِ نظر ہے ورنہ میں تو اپنے رب سے عفو اور ستاری کا خواستگار ہوں۔ حلقۂ اہلِ سنت دیوبند اِن دنوں جس طرح نظریاتی کشمکش اور تقسیم وانتشار کا شکار ہے اس میں احقر کی شخصیت کو متفق علیہ اور مرکزی قرار دینا حسن ظن یا نری سادگی نہیں تو اور کیا ہے؟! اور اگر بالفرض آپ ہی کی بات درست ہو تو کیا میری یہ مرکزیت میرے فرائض اور ذمے داریوں کو بڑھا نہیں دیتی؟!

آپ کا کہنا ہے کہ کچھ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے اپنے مقصد کی بات کہلوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، کیا اس سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ آپ کے نزدیک احقر بالکل دماغ سے معطل ہو چکا ہے اور مجھ میں غور وفکر کے بعد فیصلہ لینے کی صلاحیت نہیں رہی؟! میرے عزیز! ایسا بالکل نہیں ہے، احقر جسمانی اعتبار سے ضعف کے سبب معذور ضرور ہو گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے لوگوں کو سمجھنے، پرکھنے اور ان کے متعلق خود اپنی منشا پر فیصلے لینے کی پوری قوت وصلاحیت رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسے بروئے کار بھی لاتا ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی بہت ہی معتمد شخص جس کی دین داری اور تدین احقر پر ظاہر ہو وہ اگر کوئی بات بیان کرے تو اس پر غور وفکر اور دیگر ذرائع سے تحقیق وتائید کے بعد اعتماد کیا جاتا ہے۔

اِس قسم کی باتیں بزرگوں کے متعلق ان کے ناخلف جانشین کہتے رہے ہیں اس کے پس پشت یہ مقصد کارفرما ہوتا ہے کہ وہ بزرگوں کی سرزنش اور تنبیہ کو معاشرے میں بے وقعت بنا کر اپنے تجدد کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے ناخلف جانشین اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ اپنے بزرگ کی آخری زمانے کی تمام دینی، علمی اور مسلکی سرگرمیوں کو مشکوک بنا رہے ہیں۔ فیا للأسف! جو کچھ ہمارے حلقوں میں آج

کل ہو رہا ہے، ملک بھر کے جید علماء میرے روبرو اس پر اظہار نفرین وملامت تو کرتے ہیں، لیکن کوئی ایسا نہیں ہے جو آگے بڑھ کر اس انتشار، تجدد اور بے راہ روی کی راہ روکے؟ آپ کیا چاہتے ہیں کہ سب کی طرح احقر بھی خاموش تماشائی بنا رہے؟! آخر مداہنت اور حمیت دینی کے درمیان کوئی حد فاصل بھی ہے یا نہیں؟! سب اگر خاموش رہیں گے تو نہی عن المنکر کا فریضہ کون ادا کرے گا؟

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: " لَا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ نَفْسَه، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ يَحْقِرُ أَحَدُنَا نَفْسَهُ؟ قَالَ: "يَرَى أَمْرًا، لِلّٰهِ عَلَيْهِ فِيهِ مَقَالٌ، ثُمَّ لَا يَقُولُ فِيهِ، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَة: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُولَ فِي كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: خَشْيَةُ النَّاسِ، فَيَقُولُ: فَإِيَّايَ كُنْتَ أَحَقَّ أَنْ تَخْشَى"۔ (سنن ابن ماجه) (تم میں سے کوئی اپنے آپ کو گھٹیا نہ سمجھے، صحابہؓ نے عرض کیا: کہ اپنے آپ کو گھٹیا سمجھے کا کیا مطلب؟ فرمایا: کوئی ایسی بات دیکھے جس کی اصلاح کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ہو لیکن یہ اس معاملے میں کچھ نہ بولے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے فرمائیں گے کہ تمھیں کس چیز نے فلاں معاملے میں بات کرنے سے قاصر رکھا؟ وہ عرض کرے گا: لوگوں کے ڈر کی وجہ سے نہیں بولا تھا کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ میں اس بات کا زیادہ حق دار تھا کہ تم مجھ سے ڈرتے)۔

آپ نے اپنے خط میں جن امور کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے ان میں پہلا مسئلہ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سماع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسئلہ ہمارے مسلک میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے؟ کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ منکرینِ حیات وسماع نے توحید کی آڑ لے کر ملک بھر میں ضلالت اور گستاخیوں کا کیسا طومار باندھ رکھا ہے؟ شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہٗ سے لے کر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ تک کوئی بزرگ ان کے فتووں اور گستاخیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ کیا منکرین حیات وسماع کی تردید نہ کی جائے اور اس فتنے کے آگے بند باندھنے کی کوشش نہ کی جائے؟!

مولانا زاہد الراشدی کے صاحبزادے حافظ عمار خان ناصر کا مسلک جمہور سے انحراف کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، ان کی اپنی انفرادی اور ذاتی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ اس پر چند سطور بھی لکھی جائیں لیکن کیا کیا جائے کہ وہ ایک ثقہ اور دیوبندیت کے نمائندہ خانوادے کے فرد ہیں اور ان کی ساری ''فضیلت'' ان کے جدامجد اور والد ہی کے باعث ہے، اب اگر ان کے والد خود ان کے پشت پناہ بن جائیں اور پورے حلقۂ اہلِ سنت دیوبند کو حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے نسبی تشخص اور علمی و دینی سیادت کے سائے میں مسموم

کرنے کی کوشش کریں تو کیا اس پر مہر بلب رہا جائے؟ آخر وہ کون سا مرحلہ ہوگا جب اس فریضے کو ادا کیا جائے گا یا آپ کی نظر میں یہ کوئی دینی کام ہی نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر تجدد کی تردید میں اکابر کے تمام کاموں اور سرگرمیوں کو بیک قلم منسوخ اور کالعدم قرار دے دینا چاہیے۔

رہی بات مولوی الیاس گھمن کی تو احقر نے فقط ایک خط کے جواب میں اپنی سابقہ تائیدی رائے سے رجوع کیا ہے۔ کیا اس رجوع کا احقر کو دینی و اخلاقی حق حاصل ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ بات باوثوق ذرائع سے معلوم ہوئی کہ وہ میری سابقہ تائید کو ہر جگہ اپنے ''مقاصد'' کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

کیا متذکرہ تمام امور دینی سرگرمیاں نہیں ہیں؟ اور کیا، بہ شرط اخلاص، ہم اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید نہ رکھیں؟ کیا ہمارا بطور اہلِ سنت یہ رویہ ٹھیک ہوگا کہ ہم اپنے مسلکی مخالفین شیعہ، غیر مقلدین اور بریلویوں وغیرہ کی تو خوب تردید کریں اور ان گمراہ فرقوں کی تردید کرنے والوں کو ''متکلم اسلام'' باور کریں لیکن اپنے ہی حلقے سے وابستہ افراد کی کمیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں سے صرف نظر کرلیں؟

......کیا حلقۂ دیوبند ہی کے بڑے بزرگ اپنے ہی حلقے کے ایک گمراہ فرد حاجی عثمانی کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے؟ کیا حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے مولانا اسحٰق سندیلویؒ اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ کے خلاف نہیں لکھا؟ کیا حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اپنی دینی اور ذاتی شخصیت سے بے پرواہ ہو کر پوری زندگی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تردید نہیں کرتے رہے؟ کیا حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ، شہید مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور مولانا محمد امین صفدرؒ جیسے ثقہ اور بزرگ علماء پوری زندگی اہلِ بدعت اور منحرفینِ اہلِ سنت کی تردید اور ان کے خلاف قلمی و لسانی جہاد نہیں کرتے رہے؟ اور کیا بزرگوں کی متذکرہ تمام سرگرمیوں کو ہم بلا شبہہ دینی طور پر مستحسن جانتے ہوئے قابلِ تقلید نہیں قرار دیتے؟

کیا اس ڈر سے کہ لوگ میری تحریروں کو غلط مقاصد کے لیے استعمال کریں گے، میں لکھنا ہی چھوڑ دوں!؟

میری رائے میں جس طرح چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور اچھے کام کرنے والوں کی پذیرائی ضروری ہے اسی طرح غلط روش پر چلنے والوں کی راہ روکنا بھی دفاع اہلِ سنت کی ہی ایک کڑی ہے۔

جہاں تک ناقدین کا یہ قول آپ نے نقل کیا ہے کہ ''بس یہی کام رہ گیا ہے'' ـــــــ اول تو ''یہی کام'' احقر کی نظر میں، بہ شرطِ اخلاص، مستقل دینی سرگرمی ہے لیکن بحمد اللہ یہ کام احقر کی سابقہ طویل تدریسی، تحریکی، مسلکی، تصنیفی، اصلاحی اور تنظیمی زندگی کا ایک جز ہے۔ اگر میری یہ ٹوٹی پھوٹی سرگرمیاں بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوگئیں تو میرا کام بن جائے گا اور میں ان پر ناقدین و مارقین سے ''داد'' کا نہیں اللہ رب العزت

سے اجر کا ملتجی ہوں۔

باقی معاندین کی زبان تو حضراتِ انبیاء پر دراز ہو چکی ہے یہاں تک کہ قرآن کو کہنا پڑا یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ (ہائے کیسی حسرت ہے ان بندوں پر ہماری طرف سے جو رسول بھی ان کے پاس پہنچے یہ ان کے ساتھ تمسخر اور استہزاء سے ہی پیش آئے)، اور حضراتِ سلف کے بارے میں علامہ تاج الدین سبکیؒ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے: ما من إمام إلا وقد طعن فيه طاعنون، وهلك فيه هالكون (امت کا کوئی امام ایسا نہیں ہے جس کو حملہ کرنے والوں نے اپنے حملوں کا نشانہ نہ بنایا ہو اور جس کی شان میں گستاخیاں کر کے ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہوں)۔ جب حضراتِ انبیاء اور سلفِ صالحین کے ساتھ اس قسم کا ناروا سلوک کیا گیا ہے تو احقر کیا اور اس کی اوقات کیا؟

آپ نے لکھا ہے کہ احقر نے جمعیت (ن) اور جمعیت (ف) کے درمیان اتحاد و انضمام کی جو محنت کی اس کی کسی نے پذیرائی نہیں کی، پذیرائی کے حوالے سے احقر کا تأثر آپ سے مختلف ہے۔ اوّل تو میں پذیرائی کا طالب ہی نہیں ہوں لیکن آپ نے جب اسے بہت شدت اور حساسیت کے ساتھ محسوس کیا ہے تو خود جناب ہی نے اسے اجاگر کرنے کے لیے کوئی مضمون کیوں نہ لکھ دیا؟ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' سے لے کر روزنامہ ''اسلام'' تک کا پلیٹ فارم آپ کے پاس موجود ہے۔ عملی کام زبانی باتوں اور دعووں پر ہمیشہ فوقیت رکھتا ہے۔

باوجود نہ چاہنے کے تحریر طویل ہوگئی، امید ہے محسوس نہیں فرمائیں گے۔

والسلام......سلیم اللہ خان

۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ/۱۵ر جون ۲۰۱۶ء

خادم جامعہ فاروقیہ، کراچی......صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

اعتذار

''صفدر'' کے گذشتہ شمارہ (۶۶) میں ''حدیث کلاب حواب'' نامی مضمون کے تحت صفحہ نمبر ۳۴ر کی سطر نمبر ۱۵ر و ۲۱ر میں اسماعیل راوی کا سٹھیا جانا لکھا گیا ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے یہ بات قیس بن ابی حازم سے متعلق ہے۔ لہٰذا:

سطر ۱۵ر کی عبارت اس طرح ہوگی: ''قیس مضبوط تھا بڑی عمر کا ہو کر سو سال کو پہنچا اور سٹھیا گیا۔''

سطر نمبر ۲۱ر کی عبارت اس طرح ہوگی: ''تو یہ حال کہ قیس سٹھیا گیا کچھ مضر نہیں۔''

قارئین تصحیح فرمالیں۔ از: مجیب الرحمٰن (ڈیرہ اسماعیل خان)

مولانا عبدالحمید تونسوی مدظلہ

عورت کی دیت پر اجماعِ صحابہؓ......اور غامدی و عمار کی تعلّی

......''غامدی صاحب کا منہج فکر'' نامی رسالہ سے اقتباس......

غامدی صاحب کا بیان ہے کہ:

''قتل خطا اور عمد دونوں میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ دیت معاشرے کے دستور کے اور رواج کے مطابق ادا کی جائے۔قرآن نے خود دیت کی کسی خاص مقدار کا تعین کیا ہے نہ عورت اور مرد، غلام اور آزاد، مسلم اور غیر مسلم کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے۔نبی ﷺ نے دیت کے فیصلے اپنے زمانے میں عرب کے دستور کے مطابق کیے۔فقہ و حدیث کی کتابوں میں دیت کی جو مقداریں بیان ہوئی ہیں وہ اسی دستور کے مطابق ہیں۔'' [میزان: ۶۲۱_طبع ۲۰۱۴ء]

تبصرہ:

غامدی صاحب کی مذکورہ عبارت میں چند چیزیں محل نظر ہیں:

(ا)......قرآن مجید ایک دستور کا نام ہے جس کی حیثیت اصول وقواعد کی ہے، اس کے جزئیات کی تبیین و وضاحت، احادیث رسول میں موجود ہے۔صرف دیت کا مسئلہ ہی نہیں متعدد مسائل ایسے ہیں جن کی تفصیل سے قرآن خاموش ہے۔جیسا کہ صلوۃ وزکوۃ وغیرہا کا حکم بھی قرآن میں مطلق ہے، جن کی توضیح و تفصیل احادیث میں بیان کی گئی ہے منجملہ ان مسائل کے ایک دیت کا مسئلہ بھی ہے اس لیے غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ'' قرآن نے دیت کی خاص مقدار کا تعین نہیں کیا لہٰذا مرد وعورت کی دیتوں میں کوئی فرق نہیں''...... معانی قرآن سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

(ب)......حضرت رسول اللہ ﷺ کی حیثیت شارع کی ہے، جو کتاب اللہ کی تبیین کا فریضہ وحی الٰہی کی روشنی میں سرانجام دیتے ہیں۔اس لیے آپ ﷺ کا دیت کی مقداروں کے متعلق فیصلہ، عرب کے دستور کے مطابق نہیں بلکہ وحی الٰہی کی تعمیل میں تھا۔شریعت اسلامیہ کے احکام، اہل عرب کے تمدنی حالات اور تہذیبی روایات پر نہیں بلکہ وحی الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں، لہٰذا فقہ وحدیث کی کتابوں میں دیت کی جو مقداریں بیان ہوئی ہیں، وہ دستور قرآن کے عین مطابق ہیں۔

(ج)......مرد وعورت کی دیت میں شریعت نے یقیناً فرق رکھا ہے۔عورت کی نصف دیت پر

صحابہؓ کا اجماع ہے اسی لیے تمام ائمہ مجتہدین کا بھی اسی پر اتفاق ہے، جس کا انکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ متجددین زمانہ کا قرآن مجید کے مطلق احکام یا کسی کے متفردانہ اقوال سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ''ہر جوئندہ یابندہ'' کہ یوں تو ہر متلاشی کو قرآن سے اپنے مطلب کی چیز ضرور مل جاتی ہے۔ مگر یہ خام فکر انہیں مفید نہیں۔ قرآن فہمی کے لیے حدیث وسنت اور اس کے لیے اتباع سبیل المؤمنین یعنی صحابہؓ کی پیروی ضروری ہے۔

یاد رہے کہ مرد وعورت کی دیت میں شریعت کے بیان کردہ فرق کا انکار بھی انہیں مسائل میں سے ہے، جن پر صرف ائمہ مجتہدین ہی نہیں بلکہ صحابہؓ کا بھی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ مگر لائق افسوس بات یہ ہے کہ غامدی صاحب اور ان کے تربیت یافتہ افراد سراسر اس کے انکار پر بضد ہیں، دراصل غامدی صاحب کے منہج فکر کی بنیاد ہی یہ ہے کہ دین میں سہولت وآسانی کے نام پر اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کی جائے، چاہے اس کیلئے امت مسلمہ کے اجماعی مسائل سے اعراض وانکار ہی کیوں نہ کرنا پڑے......

جیسا کہ محمد عمار خان صاحب ناصر بڑی بیبا کی سے لکھتے ہیں کہ:

''مثلاً آپ دیکھیں کہ ہمارے ہاں یہ کم وپیش ایک متفقہ نقطۂ نظر چلا آرہا ہے کہ اگر کسی خاتون کو قتل کر دیا گیا ہے کہ تو اس کی دیت مرد سے آدھی ہوگی۔ یہ صحابہؓ کے دور سے ہے۔ ان کے ہاں بھی یہی نقطۂ نظر ملتا ہے۔ اس دور سے اب تک کم وپیش یہ ایک مسلمہ بات ہے اگر آپ عورت کا قصاص لینا چاہتے ہیں تو لے لیں، لیکن اگر دیت لینا چاہتے ہیں تو وہ مرد سے آدھی ہوگی۔ اب یہ ایک ایسی چیز ہے جو قرآن میں بیان نہیں ہوئی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث میں بھی بیان نہیں ہوئی۔ البتہ یہ صحابہ کے ہاں موجود ہے۔ صحابہ نے اسی پر فیصلے کیے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے فیصلے ہیں، سیدنا علیؓ کے فیصلے ہیں۔ اس لیے کہ عرب سوسائٹی میں عورت کی دیت مرد سے آدھی ہی چلی آرہی تھی۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بے شک اس پر صحابہؓ کا اتفاق ہے، بے شک امت کی فقہی دانش نے collectively اسی کو قبول کیا ہے، لیکن اگر یہ خدا اور اس کے رسول کا حکم نہیں ہے، خدا اور رسول نے اس کی پابندی لازم نہیں ٹھہرائی تو پھر عرب سوسائٹی کے رجحانات کے تحت صحابہ نے اگر ایک فیصلہ کیا ہے تو اس کی پابندی ہم پر لازم نہیں۔'' [ماہنامہ اشراق: ۴۱۔۴۲۔ اگست ۲۰۱۲ء]

تبصرہ:

قارئین کرام!

محمد عمار خان صاحب ناصر کی عبارت کو ذرا غور سے پڑھیے اور داد دیجئے ان کی فکری اپج اور جسارت کی، کہ ان کے ہاں صحابہ کرامؓ، خدا اور رسول کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کے بجائے عرب سوسائٹی کے رجحانات کے تحت فیصلے کرتے تھے......!!

تو سوال یہ ہے کہ صحابہؓ جو کہ پیغمبر کے تربیت یافتہ ہیں، اگر ان کا حال یہ ہے کہ وہ خدا اور سول کی تعلیمات کے تحت نہیں بلکہ عرب سوسائٹی کے رجحانات کے تحت فیصلے کرتے تھے، تو کہاں رہا اسلام اور کہاں اس کے احکام کا نفاذ!؟

دراصل غامدی صاحب نے اپنے ہمنواؤں میں جو سوچ ودیعت کی ہے، یہ سب اسی کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے صحابہؓ کے متفقہ فیصلہ، ائمہ مجتہدین کے اجماع اور امت کی مسلّمہ بات کے مقابلے میں اپنے نقطۂ نظر کو ترجیح دینے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اپنے خام اجتہاد سے اجماعی مسائل میں صحابہؓ کے فیصلوں کی مخالفت کرنے والے، خود صحابہؓ کے بارے میں خدا اور سول کی ہدایات سے کیوں بے خبر ہیں!؟

صحابہؓ کی حیثیت کو کم تر سمجھنے والوں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ قرآن کے اولین مخاطبین اور نبوت کے عینی شاہدین، جن کے ایمان اور عمل کو امت کیلئے معیار و کسوٹی بنایا گیا، انہوں نے کتاب وسنت کے فیصلوں کو کیسے پیش نظر نہ رکھا!؟

حضرات صحابہ کرامؓ، امت مسلمہ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے درمیان حصول دین، وصول شریعت اور اخذ ہدایت کیلئے واسطہ اور ذریعہ ہیں، اگر صحابہؓ کے فیصلے حجت نہیں تو پھر چودہ سو سال کے بعد اہل تجدد تک اسلام کی تعلیمات کس نے پہنچائیں!؟

وہ جماعت جسے دنیا ہی میں مغفرت، جنت کی بشارت اور رضا کا تمغہ دیا گیا۔ کیا ان کے فیصلوں سے روگردانی پر قرآن میں جہنم کی وعید نہیں سنائی گئی؟

☆......''**وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْراً۔**'' [النساء:۱۱۵] اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

راہِ ہدایت کو پانے کے لیے اطاعت خدا اور اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اتباع سبیل المؤمنین ضروری ہے اس آیت میں [المؤمنین] پر الف لام عہد کا ہے جن سے صحابہ کرامؓ کی جماعت مراد ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا اجماع و فیصلہ شرعی حجت ہے ؎

راہ ملتی ہے شب کو تاروں سے
اور ہدایت نبی کے یاروں سے

☆......نیز حضرت ابوذرؓ کی مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**من خالف الجماعة شبراً خلع ربقة الاسلام من عنقه** ''[مسند احمد:۲۱۵۶۰] جس نے بالشت برابر بھی جماعت[صحابہؓ] کی مخالفت کی، اس نے اسلام کی رسی[احکام] کو اپنے گلے سے اتار پھینکا۔
اور کیا خلفاء راشدین کا طریقہ سنت نہیں؟

☆......حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''**انه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة.** ''[ابوداؤد:۴۶۰۷، مسند احمد:۱۷۱۴۴] تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف بھی دیکھے گا، ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور تم[دین میں] نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے اور اس کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنتوں کو اپنانے کا تاکیدی حکم ہے۔

یہاں لائق توجہ بات یہ ہے کہ 'بها' اور 'علیها' کی ضمیروں کا مرجع 'سنت الخلفاء' ہے، کیونکہ وہی اقرب ہے۔

نیز اسی کی تاکید اس لیے ضروری تھی کہ سنت نبوی کی اطاعت تو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے مگر اس کے ساتھ نیا حکم خلفاء کی سنت کا التزام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ اپنے خلفاء کے طریقے کو بھی سنت قرار دیا ہے، جس کو مضبوط پکڑنے سے ہی فتنوں سے نجات مل سکتی ہے۔

☆......حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:
''**إِنِّیْ لَا أَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِیْكُمْ، فَاقْتَدُوْا بِاللَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ وَأَشَارَ إِلٰی أَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ**''
[ترمذی:۳۶۶۳، ابن ماجہ:۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۱۹۴۲، مسند احمد:۲۳۲۷۶] کہ مجھے نہیں معلوم تمھارے درمیان میری زندگی اب کتنی رہ گئی ہے[ابھی کچھ دن دنیا میں رہنا مقدر ہے یا وقت موعود قریب آگیا ہے] لہٰذا[آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ] تم لوگ میرے بعد ان دونوں شخصوں کی پیروی کرنا[جو یکے بعد دیگرے میرے جانشین اور خلیفہ ہوں گے] اور وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

☆......یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''**لو اجتمعتما فی مشورة ماخالفتکما.** '' [مسند احمد:۱۷۹۹۴] جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ، تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔

اب غامدی صاحب اور محمد عمار خان صاحب ہی از روئے انصاف ودیانت فیصلہ فرمائیں کہ رجم اور دیت کے احکام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے ساتھ دیگر اکابر صحابہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہم کا فیصلہ کیا تھا!؟

حضرات خلفائے راشدینؓ اور اجلہ صحابہؓ کے مقابلے میں آنجناب کے اجتہاد، نگاہ فکر اور نقطۂ نظر کی کیا حیثیت ہوگی؟ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

یہاں تک کہ مودودی صاحب بھی لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں یہ اصول شروع سے آج تک مسلم رہا ہے کہ دینی احکام وہدایات کی جو تعبیریں صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق کی ہیں [جسے اصطلاح میں اجماع کہا جاتا ہے] اور دستوری وقانونی مسائل کے جو فیصلے خلفائے راشدینؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے طے کر دیے ہیں، وہ ہمارے لیے حجت ہیں، یعنی ان کو جوں کا توں تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ صحابہؓ کے کسی معاملے میں متفق ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک مستند تعبیر قانون اور معتبر طریق عمل ہے۔'' [اسلامی ریاست: ۲۹۰]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ چونکہ زیر سایہ نبوت تربیت یافتہ تھے، وہ شریعت کے اغراض ومقاصد کو پوری طرح سمجھنے اور احکام کی پوری پوری رعایت کرنے والے تھے۔ اس لیے ان کے فیصلے شریعت کے معتبر قانون اور مستند دستاویز ہیں اور انہیں کو سنت کا درجہ حاصل ہے۔ اگر کتاب وسنت کی رو سے خلفائے راشدین کا فیصلہ سنت ہے اور صحابہؓ کی اتباع سے ہی ہدایت وابستہ ہے اور یقیناً ہے۔ تو پھر صحابہؓ کے فیصلہ کو عرب سوسائٹی کے رجحانات کے تحت قرار دینا کیسا مکروہ پروپیگنڈہ، دل آزار مغالطہ اور ابلہ فریبی ہے ؎

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے؟
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے؟

حیرت واستعجاب تو اس سوچ پر ہے کہ جس کے نتیجہ میں یہ نظریات وجود میں آئے کہ:

''عورت کی دیت مرد سے آدھی ہوگی یہ متفقہ نقطۂ نظر صحابہؓ کے دور سے چلا آ رہا ہے......اس دور سے اب تک یہ مسلمہ بات ہے......صحابہؓ نے اسی پر فیصلے کیے ہیں......حضرت عمرؓ کے فیصلے ہیں......سیدنا علیؓ کے فیصلے ہیں......[مگر آگے لکھتے ہیں کہ] میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بے شک اس پر صحابہ ؓ کا اتفاق ہے، بے شک امت کی فقہی دانش نے collectively اسی کو قبول کیا ہے......[مگر] اس کی پابندی ہم پر لازم

نہیں۔''(۱)

قارئین کرام!

اس ایمان سوز اور دل آزار عبارت سے تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ دین کے احکامات اور پیغمبر کے ارشادات سے بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے غامدی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو رجم و دیت جیسے غیر معمولی اسلامی مسائل کا از خود فیصلہ کرنا پڑا۔ اجماع امت کے ضمن میں جب [اعتماد علی السلف] کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگے تو اس تخم حنظل کے برگ و بار بہت دور دور تک پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ گم کردہ راہ افراد ہر موڑ پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کر کے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔

کون پوچھے کہ جب تربیت یافتگان رسول، سنت نبوی سے ناواقف رہے تو دور حاضر کے متجددین اور نام نہاد مجتہدین کو شریعت کہاں سے ملی؟ اگر صحابہؓ کا فیصلہ اور امت کا اجماع حجت نہیں تو آنجناب کا نقطۂ نظر کیسے لائق قبول ہے؟ اگر امت کی فقہی دانش کی بات آپ کو قبول نہیں تو آپ کا نقطہ نظر، ارباب علم و دانش کو کس طرح قابل تسلیم ہو؟ جب صحابہؓ کے فیصلہ کی پابندی لازم نہیں تو آپ کے فیصلہ کی پابندی کیونکر لازم ہوگی؟

کاش غامدی صاحب خود بھی اور ان کے مصاحبین، حضرات صحابہ و اسلاف پر عدم اعتماد کر کے خام اجتہاد کا چور دروازہ نہ کھولتے، جس کی بدولت وہ خود بھی اس رسوائی سے بچتے اور دوسروں کو بھی گمراہی سے بچاتے۔ کیونکہ یہ زاویہ نگاہ اور منہج فکر نہ صرف اجماع امت کے خلاف ہے بلکہ قادیانیت و رافضیت کے افکار و نظریات کی تائید کا غماز بھی ہے۔ (**بقیہ** صفحہ نمبر 49)

---

(۱) اس موقع پر ہمیں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا ایک واقعہ یاد آیا کہ جب انہوں نے عورتوں کے مسجد جانے کے بارے میں ایک حدیث پیش کی تو ان کے بیٹے حضرت بلالؒ نے اس کا انکار کیا۔ یہ سنکر حضرت ابن عمرؓ اپنے بیٹے پر غضبناک ہوئے اور کلام ترک کر دیا۔ [ابوداؤد: باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد: ۹۱]

مقام غور ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنے بیٹے سے اظہار ناراضگی اس لیے نہیں تھا کہ ان کا مسئلہ غلط تھا، بلکہ اس لیے تھا کہ بیٹے نے حدیث مبارک سے معارضہ کرتے ہوئے اپنا قول پیش کیا، جو کہ حضرت ابن عمرؓ کی نظر میں سخت سوء ادب تھا، وگرنہ نفس مسئلہ میں صاحبزادہ کی تائید روایت عائشہؓ سے بھی ہوتی ہے، جو کہ ابوداؤد کے اسی باب میں موجود ہے۔ اور عمار خان صاحب جب خود اقوال خلفائے راشدین و اجلہ صحابہؓ [جو سنت اور اجماع کے درجہ میں ہیں] پیش کر کے معارضہ میں اپنا قول پیش کرتے ہیں [جو کہ صحابہؓ اور جمہور کی مخالفت کی وجہ سے یقیناً غلط ہے] تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ **یا أسفا.. !!**

حالانکہ حمیت دینی کا تقاضا تو یہ تھا کہ عمار صاحب کے اس رویہ پر مولانا ابوعمار مدظلہ، حضرت ابن عمرؓ کا سا طرز عمل اختیار کر کے بیٹے کی اصلاح کی فکر میں فوری ان کی سرزنش کرتے تاکہ آئندہ انہیں ایسی جسارت کی جرأت نہ ہوتی۔ (تونسوی)

سعدی کے قلم سے

بڑا پاگل خانہ

اللہ تعالیٰ ہمارے ''اوقات'' اور ''لمحات'' میں خیر اور برکت عطاء فرمائے......

اَللّٰھُمَّ اِنَّانَسئَلُکَ صَلاحَ السَّاعَاتِ وَالبَرَکَۃَ فِی الاَوقَاتِ.

عجیب دنیا:

جو لوگ پاگل ہوجاتے ہیں... وہ کئی قسم کے ہوتے ہیں... ہر پاگل کی اپنی قسمت... بعض پاگلوں کو اُن کے گھر والے سنبھال لیتے ہیں... بعض پاگل طاقتور ہوجاتے ہیں تو اُن کا پاگل پن بھی عقلمندی قرار پاتا ہے... جبکہ بعض پاگلوں کو... پاگل خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے... اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے... یہ پاگل خانے جیل بھی ہوتے ہیں اور ہسپتال بھی ہیں... آج انہی پاگل خانوں کے بارے میں بات کرنی ہے اور ایک بڑے پاگل خانے کا تعارف کرانا ہے... مگر پہلے ہم سب ''پاگل پن'' سے حفاظت کی مسنون دعاء پڑھ لیں...

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنَ الجُذَامِ وَالبَرَصِ وَالجُنُونِ وَسَیِّیِ الاَسقَامِ.

یا اللہ! میں آپ کی حفاظت چاہتا ہوں... کوڑھ، برص، پاگل پن اور گندی بیماریوں سے... یہ دعاء حضرت آقا محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائی ہے یاد کرائی ہے...

عجیب ماحول:

کسی پاگل خانے کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا... البتہ پاگل خانوں کے واقعات عربی اور اردو میں کافی پڑھے ہیں... پاگل خانوں کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے... خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک پاگل خانے کا دورہ کیا تھا... اور وہاں کے ایک پاگل نے ان کو اپنے سوالات سے بیوقوف بنادیا تھا... عربی زبان میں پاگلوں کے واقعات پر کافی مواد موجود ہے...

کہتے ہیں کہ جو شخص بھی ''اوریجنل پاگل'' ہوتا ہے وہ پاگل خانے ہی میں خوش رہتا ہے اور وہ کبھی بھی پاگل خانے سے نہیں نکلنا چاہتا... ہاں! جو نقلی پاگل ہوں وہ پاگل خانے میں خوش نہیں رہتے... پاگل خانے کا ماحول عجیب ہوتا ہے... ہر پاگل خود کو دنیا کا سب سے عقلمند انسان سمجھتا ہے... کوئی پاگل بادشاہ ہوتا ہے تو کوئی وزیر اعظم... ہر پاگل کا اپنی ذات کے بارے میں کوئی نہ کوئی بڑا دعویٰ ضرور ہوتا ہے... مگر

غامدیوں کے نظریات کی طرح یہ دعوے بھی بدلتے رہتے ہیں... پاگل کو کیا شرم کہ ... ایک دن وہ سپہ سالار بن جائے اور اگلے دن میراثی اور فنکار... اس نے خود ہی سوچنا ہے، خود ہی دعویٰ کرنا ہے... خود ہی فیصلہ کرنا ہے اور خود ہی اپنا دعویٰ بدلنا ہے... کہتے ہیں کہ... جب برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی تو پاگل خانوں میں بھی ماحول گرم تھا... ہر پاگل اپنے آپ کو کوئی مشہور لیڈر قرار دیتا... چھوٹے پاگل اس کے گرد جمع ہو جاتے... اچانک کوئی دوسرا پاگل اس کے خلاف محاذ کھول دیتا... پھر کچھ پاگل فیصلہ کرنے والے بن جاتے... اور یوں پورے پورے علاقے، صوبے اور ضلعے پاگلوں کے درمیان تقسیم ہو جاتے... تب سارے پاگل خوش کہ ہم نے بڑا کام کرلیا... پاگلوں کے ہاں گنتی کا بڑا مقام ہے... آپ کسی بھی پاگل سے مل لیں وہ ضرور کوئی نہ کوئی چیز ''گن'' رہا ہوگا شمار کر رہا ہوگا... مگر گنتی اس کی اپنی ہوگی... ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنا قصہ لکھا ہے کہ ایک دن میں پاگل خانے اپنی ڈیوٹی پر گیا... جیسے ہی اندر داخل ہوا تو میرے کانوں سے آواز گونجی... بیس، بیس، بیس... میں حیران ہوا اور اندازہ لگانے لگا... جلد ہی پتا چل گیا کہ پاگلوں کے بڑے کمرے میں سے آواز آرہی ہے... اور سارے پاگل مل کر کہہ رہے ہیں... بیس، بیس، بیس... پہلے تو میں نے نظر انداز کیا مگر جب ان کی آواز نہ رکی تو مجھے تجسس ہوا... وہاں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا سوراخ تھا، جس سے نگرانی کرنے والے چھپ کر پاگلوں پر نظر رکھتے تھے... میں اس سوراخ تک پہنچا اور آنکھ لگا کر دیکھنے لگا... اچانک اندر سے جھاڑو کا تیز تنکا میری آنکھ میں لگا... اور پاگلوں کی آواز گونجی اکیس، اکیس، اکیس... یعنی وہ مجھ سے پہلے اس طرح کے بیس شکار کر چکے تھے اور میں ان کا اکیسواں شکار تھا... اب یہ پاگل خوشی اور فخر سے مرے جا رہے تھے اور چلّا رہے تھے اکیس، اکیس... پاگلوں کی فتوحات، ان کی شکست، ان کی رعایا، ان کی مقبولیت یہ سب خیالی معاملات ہوتے ہیں... مگر وہ ان کو حقیقی سمجھتے ہیں اور ان میں مست رہنا چاہتے ہیں...

ویلکم ٹو بڑا پاگل خانہ:

اب آجائیں اس دنیا کے سب سے بڑے پاگل خانے کی طرف... یہ ہے فیس بک... پورا کا پورا ماحول پاگل خانے والا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر... یہاں ایک خیالی سلطنت قائم ہے... ایک یہودی گماشتہ اس سلطنت کا سامری ہے، سلطان ہے... یہاں ہر شخص گم ہے، مست ہے اور مدہوش ہے... کہیں کوئی بادشاہ ہے اور اس کی رعایا... کہیں کوئی دانشور ہے اور اس کے فین اور پنکھے... کہیں گنتی چل رہی ہے... میرے اتنے فالوور تیرے اتنے فالوور... کہیں کوئی فخر سے پھٹ رہا ہے کہ مجھے اتنے لائکس ملے اور فلاں کو اتنے کم... کہیں کوئی کسی کی دم پکڑ کر کھینچ رہا ہے تو کوئی کسی کے منہ پر کالک مل رہا ہے... یہاں کوئی

مرد،عورت بن کر ہزاروں پاگلوں کو بے وقوف بنا رہا ہے تو کوئی عورت... مرد بن کر اپنی سہیلیوں کا کردار چیک کر رہی ہے... یہاں نقلی خیالات،نقلی عقائد،نقلی بادشاہت،نقلی مقبولیت... اور نقلی بحث مباحثے گرم ہیں... قیمتی سے قیمتی افراد اس پاگل خانے میں داخل ہو کر دو ٹکے کے رہ جاتے ہیں... بھکاریوں کی طرح ایک ایک ''لائک'' کو ترستے... بے عزت عورتوں کی طرح ایک ایک کی گالی سہتے... اور بے کار لوگوں کے ساتھ اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے... ہر بے عزت اس پاگل خانہ میں باعزت ہے... کیونکہ اس کے فالوورز زیادہ ہیں... یہ فالوورز کون ہیں؟ کہاں ہیں؟ کیوں فالوورز ہیں؟... پاگلوں کو ان باتوں کے سوچنے کی فرصت نہیں... یہاں ہر پاگل دوسروں کو بے وقوف اور خود کو عقلمند سمجھتا ہے... اور سامری کے اس گندے ہول میں ہر شخص پھنسا ہوا... اپنی زندگی کے بہترین لمحات برباد کر رہا ہے... مگر کوئی نہیں سوچتا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ کیوں کر رہا ہے؟ اور اس سے کیا پا رہا ہے؟ اور اس میں کیا لگا رہا ہے؟... کاش امت مسلمہ کے قیمتی دماغ جب اس پاگل خانے میں دو چار گھنٹے گزار کر نکلا کریں تو صرف گھڑی دیکھ کر خود سے پوچھیں کہ... زندگی کے ایک سو بیس منٹ کا کیا حساب ہوگا؟... یہی وقت عبادت میں لگتا تو کتنے فرائض اور نوافل ادا ہو جاتے... تلاوت میں لگتا تو کتنا قرآن یاد ہو جاتا... کسی کو دعوت دینے یا کسی کی ذہن سازی میں لگتا تو کتنے افراد بدل جاتے... اپنے جسم کے پٹھے اور مسلز مضبوط کرنے میں لگتا تو جسم کتنا آسودہ ہو جاتا... اپنی بوڑھی ماں اور بوڑھے باپ کے قدموں میں بیٹھ کر یہ وقت ان کا دل خوش کرنے میں لگتا تو میری قسمت کو کتنے چاند لگ جاتے... یہی وقت خدمت خلق میں لگتا تو میرے لئے آخرت کا کیا ذخیرہ بن جاتا... یہی وقت اپنی بیوی سے باتیں کرنے میں گزرتا تو اس اللہ کی بندی کے دل کے کتنے زخم دھل جاتے... یہی وقت اپنی اولاد کی تربیت میں لگتا تو صدقہ جاریہ کا درخت کتنا تناور ہو جاتا... مگر کچھ بھی نہ ہوا دو چار گھنٹے پاگل خانے میں... کسی کی دم کھینچنے،کسی کی دم پکڑنے،کسی کا منہ چڑانے... کسی کو ہنسانے... اور چند پاگلوں کے لائکس سمیٹنے اور کچھ لوگوں کے بدبودار فضلے کو سونگھنے اور پھر اس بدبو پر تبصرے کرنے میں گزر گئے... اور یوں زندگی کے یہ قیمتی لمحات ایک یہودی قبرستان میں دفن ہو گئے... اناللہ وانا الیہ راجعون...

پرکشش:

فیس بک کا پاگل خانہ... ایک سامری کے دماغ کا جادو ہے... اور جادو میں کشش ہوتی ہے... یا پھر وہ دماغ کو چھوٹا کر دیتا ہے... چھوٹے بچے ویڈیو گیم پر بہت سے آدمی مار ڈالتے ہیں... سانپوں کے مقابلے جیت جاتے ہیں... کاروں کی ریس میں زیادہ نمبر لے جاتے ہیں... حالانکہ سب کچھ خیالی ہوتا ہے... مگر چونکہ بچے کا دماغ چھوٹا ہوتا ہے تو اس لیے وہ خوشی محسوس کرتا ہے... کسی عقلمند یا ذمہ دار شخص کو

ان چیزوں سے خوشی یا فتح کا احساس نہیں ہوتا... فیس بک پر آتے ہی... انسان کا دماغ چھوٹا ہو جاتا ہے اور وہ ان چیزوں میں خوشی اور کشش محسوس کرتا ہے جو اس کے کسی کام کی نہیں... نہ دنیا میں، نہ آخرت میں... پرویز مشرف کو فیس بک پر... چالیس لاکھ فالوورز ملے تو اس کا دماغ لرز گیا... وہ بھاگتا ہوا پاکستان پہنچا مگر ایئرپورٹ پر چالیس فالوورز بھی نہیں پہنچے تھے... فیس بک کے فالوورز نے تو فیس بک پر ہی ملنا تھا... ان کا ائیرپورٹ پر کیا کام؟...

مجھے خود ایک بار تجربہ ہوا... کسی قریبی کے فیس بک اکاؤنٹ سے عرب علماء اور دانشوروں کے صفحات میں جا اُترا... وہاں علمی بحثیں چل رہی تھیں... میں نے ایک دانشور کے ساتھ سینگ اڑا دیئے... کچھ دیر مقابلہ چلا وہ ناک آؤٹ ہو گیا... میں نے کہا کہ اب اپنی پوسٹ ہٹاؤ اس نے جیسے ہی ہٹائی میرا دل خوشی اور احساس فتح سے بھر گیا حالانکہ یہ کون سی فتح تھی اور کیسی خوشی؟ مگر فیس بک تو انسان کو بہت چھوٹا بنا دیتی ہے... پھر اسی طرح دو تین بار رہوا... اب جب ان واقعات کو سوچتا ہوں تو خود پر شرم آتی ہے... ایک بیوقوف کے ساتھ میرا اتنا وقت برباد ہو گیا... میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے... مجھے نہیں معلوم کہ اس کے مزید کتنے نظریات غلط ہیں؟... مجھے نہیں علم کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر کے پھر باز آیا یا اگلے دن پھر اس نے وہی پوسٹ لگا دی... مجھے نہیں علم کہ اس نے کوئی فائدہ اُٹھایا یا صرف مجھے پھنسانے کے لئے... اپنی ہار مان لی تا کہ میں روز اس کے ساتھ پاگل پن کھیل سکوں؟... یہی وقت جو میں نے اس کے ساتھ لگایا... اگر کسی سامنے، زندہ یا دور جاننے والے فرد کی تربیت پر لگاتا تو میرے لئے کتنا اچھا ہوتا... مگر ستم یہ ہے کہ جن کے پاس اپنے شاگردوں اپنے بچوں اور اپنے والدین کے لئے وقت نہیں... وہی فیس بک کے پاگل خانے میں بھرپور وقت گذارتے ہیں... اور اب فیس بک کی دیکھا دیکھی اس طرح کے کئی مزید پاگل خانے بھی قائم ہو چکے ہیں... اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے...

آئینہ:

لوگ طرح طرح کے دھوکوں میں... اپنا وقت فیس بک وغیرہ پر ضائع کر رہے ہیں... پہلے جو لوگ نیٹ پر گندی تصویریں، فلمیں دیکھتے تھے... ان کو کم از کم اتنا احساس تو ہوتا تھا کہ ہم نے غلط کام کیا ہے... چنانچہ وہ توبہ، استغفار بھی کر لیتے تھے... مگر فیس بک کے پاگل خانے میں... کئی افراد تو خود کو گویا عبادت میں مشغول سمجھتے ہیں... وہ سوچتے ہیں کہ انہوں نے اتنے چوہے مارے، اتنے گیدڑ شکار کئے... اور اتنے لوگ سدھارے... چنانچہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ضائع ہونے پر توبہ استغفار بھی نہیں کرتے... اور یوں پاگل پن کا مرض بڑھتا جاتا ہے...

اس لئے مناسب سمجھا کہ... سامری کے اس جادو کو توڑنے کے لئے... سلیمانی آئینہ دکھایا

جائے شاید کئی افراد اس میں اپنا اصل چہرہ اور اصل مقصد دیکھ کر... پاگل خانے سے باہر نکل آئیں... باقی نصیب اپنا اپنا... آج کے یہ چند الفاظ بس اسی مقصد کے تحت لکھے ہیں کہ... آپ کی توجہ اس پہلو کی طرف بھی مبذول ہو جائے...

یا اللہ! ان الفاظ کو... میرے لئے اور پڑھنے والوں کے لئے نافع بنا دیجئے...

دواء کے بنڈل:

لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ... فیس بک اگر پاگل خانہ ہے تو پھر آپ لوگوں کی نشریات وہاں کس لئے لگائی جاتی ہیں... جواب یہ ہے کہ... ہمارے رفقاء پاگل خانے کی دیوار تک جاتے ہیں... اور وہاں سے صحت مند غذا اور دواؤں کے پیکٹ... اندر پاگل خانے میں پھینکتے ہیں... تا کہ اگر کوئی ان کو کھائے تو وہ پاگل خانے سے باہر نکل آئے... ہاں البتہ پاگل خانے کی دیوار تک جانے میں بھی... ان رفقاء میں سے بعض کے دماغ پر تھوڑی دیر کا ''پاگل پن'' آ جاتا ہے اور وہ ''لائکس'' اور ''کمنٹس'' شمار کرنے لگتے ہیں... یا تھوڑی دیر کسی مباحثے میں لگ جاتے ہیں... حالانکہ ان کو اس سے بھی بچنا چاہئے...

نہ حسد نہ دل آزاری:

جو لوگ ''فیس بک'' پر مقبول ہیں... ہمیں ان سے کوئی حسد نہیں... اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی مقبولیت... اور ایسی مقبولیت کے شوق سے محفوظ رکھے... اس لئے آج جو کچھ لکھا گیا وہ کسی حاسدانہ جذبے کے تحت نہیں ہے... اسی طرح کسی کی دل آزاری بھی مقصود نہیں... انسان اپنی زندگی میں بار بار پھسلتا ہے، غلطی کرتا ہے... فیس بک پر مشغول افراد بھی ان معروضات پر غور فرمالیں... اگر اپنی غلطی کا احساس ہو تو توبہ کر لیں اور شکر کریں کہ زندگی کے قیمتی اوقات بچ گئے...

اگر آپ کو اپنی غلطی محسوس نہ ہو تو ہمیں کوئی شکوہ نہیں... البتہ ایک کام میں آپ سب سے تعاون مانگتا ہوں... فیس بک کو مارک زکر برگ کی سلطنت کہا جاتا ہے... حالانکہ یہودیوں کے لئے ''سلطنت'' حرام ہے... آپ سب اتنا تعاون کریں کہ... فیس بک کو... مارک زکر برگ کا پاگل خانہ کہا کریں... ٹھیک ہے نا؟... ان شاء اللہ...

لا اله الا الله، لا اله الا الله، لا اله الا الله محمد رسول الله

اللهم صل علی سیدنا محمد واله وصحبه وبارك وسلم تسلیما کثیرا

لا اله الا الله محمد رسول الله

[بشکریہ: ہفت روزہ القلم، شمارہ نمبر: ۵۵۲]

مولانا طلحہ السیف، بہاول پور

قادیانیت کا مشن

باسی کڑہی میں اُبال آیا ہے اور وہی مسئلہ پھر اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جسے عالمی طاقتوں اور اداروں کے کہنے پر ہر کچھ عرصے کے بعد اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اُمت کے اتحاد و اتفاق کی وجہ سے ہر بار انہیں منہ کی کھانا پڑتی ہے

پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا......اس میں لفظ ''اسلامی'' دنیا کو بہت کھٹکتا ہے

آئین کی پہلی شق میں قرآن وسنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دیا گیا...... یہ ایک مستقل تکلیف دِہ چیز ہے

لیکن ان ساری چیزوں کے ساتھ ان کے اطمینان کی یہ بات ضرور تھی کہ عملی طور پر کوئی خاص اقدام نہیں کیا گیا۔ البتہ وہ چیز جو دنیا بھر میں پاکستان کے اسلامی اور مذہبی ریاست ہونے کی علامت بن کر اُبھری وہ ریاست کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا تھا۔

آج پاکستان میں پارلیمنٹ، عدلیہ، معیشت، معاشرت کچھ بھی اسلام کے مطابق نہیں، اس کے باوجود دُنیا گر اسے ایک مذہبی ریاست کا نام دیتی ہے تو مثال میں اسی فیصلے کو پیش کرتی ہے

ریاست نے یہ فیصلہ اچانک نہیں کیا......ریاست کے وجود میں آنے کے بعد ۲۷ سال کا طویل عرصہ اس کے لیے جدوجہد ہوئی......ریاست نے یہ مطالبہ کرنے والے ہزاروں مسلمانوں کا خون کیا...... لوگوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا تحریکات کو جبراً دبایا اور ہر ہتھکنڈہ بروئے کار لایا...... بالآخر وہ عوامی مطالبے، احتجاج اور قربانیوں کے دباؤ میں اس معاملے کو پارلیمنٹ تک لانے پر مجبور ہوئی...... پارلیمنٹ میں اس پر ایک تاریخی اور طویل مکالمہ ہوا......فریق ثانی کو اپنا موقف مکمل آزادی کے ساتھ پیش کرنے کا موقع دیا گیا......ریاست کی طرف سے بات چیت کرنے والا شخص کوئی مذہبی عالم دین نہیں، ایک لبرل سیکولر شخص تھا......ریاست کے سربراہ سمیت تمام نمائندگان نے یہ مکالمہ براہِ راست دیکھا......اور اس کے بعد انہی نمائندگان نے یہ فیصلہ سنایا کہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں، ایک غیر مسلم گروہ ہیں۔

یہ پوری کارروائی تاریخ کا انمٹ حصہ ہے اور اس کی ایک ایک لمحہ کی روئیداد محفوظ بھی ہے اور ہر

ایک کی رسائی میں بھی ہے۔

یہ فیصلہ ہوگیا اور اس دن سے آج تک یہ کوشش جاری ہے کہ اس فیصلے کو متنازعہ بنایا جائے۔ ہر تھوڑے عرصے بعد کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ ایجاد کرکے اسے زیر بحث لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

پرویز مشرف کے دور میں یہ ایشو سامنے آیا کہ نئے مشین ریڈ ایبل پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ شامل نہیں کیا جا رہا۔ اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو اِسلام کے لبادے میں حرمین شریفین اور دیگر اسلامی ملکوں میں سفر کا موقع مل سکے اور وہ وہاں جا کر ارتدادی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ علماء بروقت بیدار ہوئے اور ایک تحریک کے ذریعے حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا گیا۔ اس ناکامی کے بعد عرصہ دراز ایک فوج منظّم کرکے اب نئے روپ میں اس فیصلے پر حملہ کیا گیا ہے۔ اب بحث یہ چھیڑی گئی ہے کہ آیا ریاست کو اختیار بھی ہے کہ نہیں کہ وہ کسی کے ایمان و کفر کا فیصلہ کرے؟

اس مسئلہ کی بنیاد وہ مشہور غامدی مغالطہ ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

اگر اس معاملے کو اسلامی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد اسلامی ریاست کے دورِ اول یعنی خلافت صدیقی میں ہی کچھ لوگوں کی تکفیر ریاست کی طرف سے ہوئی اور ان کے خلاف خروج وقتال ہوا اور ان پر حد ارتداد و زندقہ جاری کی گئی۔ یہ مدّعی نبوت مسیلمہ کذاب کا گروہ، مانعین زکوۃ کا گروہ اور ارد گرد کے وہ اَعراب جنہوں نے حضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہی اسلام سے انحراف اختیار کرلیا تھا۔ ریاست نے انہیں غیر مسلم قرار دیا اور ان کے خلاف کارروائی کی گئی۔

اختیار تو یہ علماء کرام کو بھی حاصل ہے اور ان کا اجماعی فیصلہ اہل اسلام کے لئے واجب التسلیم ہے کہ وہ اگر کسی گروہ کی اجماعی طور پر تکفیر کریں یا اس کو گمراہ قرار دے دیں تو ان پر اسے تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ہر معاملے میں ریاست ریاست کی رٹ لگاتے ہیں ان کے لیے ریاست مدینہ سے جاری ہونے والے یہ احکام واضح حجت ہیں۔ ہاں اگر یہ باطل اور کفریہ نظریہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ریاست کا مذہب نہیں ہوتا اور پھر اس تناظر میں اس معاملے کا جائزہ لیا جائے تو بات الگ ہے۔ تو کیا اس صورتحال میں یہی لوگ اس فیصلے کا اختیار فرد یا معاشرے کو دینے اور پھر اس کے نتائج کا تحمل کرنے پر آمادہ ہیں؟

بہر حال اس باطل بہانے سے اس معاملے کو زندہ کرنے کی جو کوشش کی گئی اہل ایمان نے بروقت بیداری کا ثبوت دے کر اس کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی اور اس سازش کا گلا ابتداء میں ہی گھونٹ دیا گیا۔

اس بحث کے پیچھے قادیانی لابی کے اسباب اور امیدیں تھیں۔ اس کی واضح دلیل یہ مسئلہ اٹھانے والے اینکر کے حق میں قادیانی جماعت کے بیانات اور اظہاری ہمدردی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قادیانی گروہ اور ان کے نمائندے کو رمضان المبارک میں رُسوا فرمایا، یہ یقیناً مسئلہ قادیانیت پر دی جانے والی قربانیوں اور اَکابر کی محنتوں اور فکرمندی کا ثمر ہے۔

رمضان المبارک کا پہلا جمعہ مردان شہر میں (تحفظ) ختم نبوت کے مرکز میں پڑھانے کا موقع ملا۔ اس وقت یہ معاملہ منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ قادیانیت اور اس کی محنت کے حوالے سے چند گزارشات پیش کرنے کا موقع ملا جنہیں باذوق احباب نے خوب توجہ سے نوازہ۔

مرزا قادیانی کو اٹھانے اور مناظر سے مہدی، مسیح اور پھر جھوٹی نبوت تک تمام مدارج طے کرانے کے پیچھے انگریز ملعون کا مقصد کیا تھا؟ یہ بات خود ملعون قادیانی نے اپنی تحریروں میں واضح کر دی ہے کہ اس کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے حکم کو ختم کرنا، جذبہ جہاد کو سَرد کرنا اور جہاد کی تعبیرِ شرعی کو بدلنا تھا۔ اس لئے اس نے اسلامی فرائض میں سے صرف جہاد کو ہی تختہ مشق بنایا اس کے علاوہ اَحکام کو کم ہی چھیڑا۔ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مسلمانوں کی اکثریت اس ملعون کو ماننے سے تو محفوظ رہی البتہ جو حالات بن چکے ہیں ان میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جہاد کے بارے میں اس کی ماننے میں ضرور مبتلا ہو گئے۔ کیا ملعون قادیانی سے پہلے بھی کبھی مسلمانوں پر ایسا بُرا وقت آیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سیرت بیان کرتے ہوئے جہاد کا ذکر گول کر جاتے ہوں؟...... جہاد کی بات سن کر مسلمانوں کو ناگواری ہوتی ہو؟......مسلمان جہاد کی آیات اور اَحکام میں دھڑلے سے باطل تاویلات اور تحریفات کرتے ہوں؟...... نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے جہادی اَدوار کا بیان سن کر ان کے دلوں میں تنگی آتی ہو؟......انہیں جہاد کا بیان اوپرا لگتا ہو؟

ایسا کبھی نہیں تھا اور آج ہے معلوم ہوا کہ اس ملعون کی محنت اپنا اَثر منتقل کر رہی ہے۔

تو کیا اس کی نبوت کا انکار کرنے سے اس کے ساتھ بغض اور دشمنی کا فرض پورا ہو جائے گا؟ اس کے اثرات کو مٹانے کی عملی محنت کرنا نہ ہوگی؟

مرزا ملعون نے ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ہم ہر جگہ ختم نبوت کا پیغام پہنچائیں گے یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

مرزا ملعون نے نبی کریم ﷺ کے محبوب و مرغوب عمل جہاد کو مٹانے، بدلنے اور بھلانے کی ناپاک کوشش کی ہم ہر جگہ آقا مدنی ﷺ کا حکم فرمودہ اور عمل فرمودہ جہاد پہنچائیں گے، یہ اہم فریضہ ہے۔

جب تک یہ دونوں کام نہیں ہوں گے مرزا قادیانی کا مشن پوری طرح ناکام نہیں ہو سکتا۔

(بشکریہ ہفت روزہ القلم)

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۳

حدیث کلاب حوأب کا مصداق اور قاضی طاہر علی کی تحقیق پر ایک نظر

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعلق محققین کا فیصلہ:

اب حدیث ابن عباس سے متعلق فیصلے سنیں!

(۱)......علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رواہ البزار و رجالہ ثقات، رواہ أبوبکر بن أبی شیبۃ و رواتہٗ ثقات. [فتح الباری: ۴۳۸/۱۴، اتحاف الخیرۃ المھرۃ: ۲۲/۸] اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں، اور اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(۲)......علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

رواہ البزار بسند صحیح. [مناھل الصفافی تخریج أحادیث الشفا: ۱۵۳/۱، رقم: ۷۴۹] اس کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۳)......امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رواہ البزار و رجالہ ثقات. [مجمع الزوائد] اس کو بزار نے روایت کیا اور اسکے راوی ثقہ ہیں۔

(۴)......غیر مقلدین کے ''محقق'' جناب ناصر الدین البانی فرماتے ہیں:

رواہ البزار و رجالہ ثقات، ان الحدیث صحیح الاسناد ولاإشکال فی متنہ. [سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۸۵۳/۱] اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور راوی ثقہ ہیں، بلاشبہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متن میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۵)......علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں:

وھو حدیث صحیح رواہ البزار عن ابن عباس رضی اللہ عنھما. [نسیم الریاض: ۱۶۶/۳، طبع تالیفات اشرفیہ ملتان] یہ حدیث صحیح ہے، امام بزار نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(۶)......امام محمد بن احمد قرطبی (۶۷۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذا حديث ثابت صحيح رواه الإمام المجمع على عدالته وقبول روايته الإمام أبوبكر عبدالله بن أبى شيبة، وكذلك وكيع مجمع على عدالته وحفظه وفقهه عن عصام، وهو ثقة عدل فيما ذكر أبوعمر بن عبد البر فى كتاب الاستيعاب لهٗ عن عكرمة وهو عند أكثر العلماء ثقة عالم. [التذكرة/۱۰۸۱] یہ حدیث ثابت اور صحیح ہے اس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا جن کی عدالت اور مقبول الروایت ہونے پر اجماع ہے، وہ وکیع سے روایت کرتے ہیں اور وکیع کی عدالت اور حافظ حدیث اور فقیہ ہونے پر اجماع ہے، انہوں نے عصام سے اور عصام ثقہ اور عادل ہے [استیعاب لابن عبدالبر:۱۷۳/۴] عصام نے عکرمہ سے اور عکرمہ اکثر علماء کے نزدیک ثقہ اور عالم ہے۔

(۷)......علامہ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالمحسن السلمان رحمہ اللہ (ساکن ریاض سعودیہ، م۱۴۲۲ھ) فرماتے ہیں:

رواه البزار و رجالهٗ ثقات. [موارد الظمأن لدروس الزمان:۴۸۰/۶] اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(۸)......علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رواه البزار بسند صحيح عن ابن عباس. [شرح الشفاء، على حاشية نسيم الرياض :۱۶۶/۳] اس حدیث کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۹)......علامہ حمود بن عبداللہ بن حمود تو یجری (م۱۴۱۳ھ) فرماتے ہیں:

رواه البزار قال الهيثمي والحافظ ابن حجر: رجالهٗ ثقات ورواه ايضًا ابن أبى شيبة بنحوه. [اتحاف الجماعة بماجاء فى الفتن والملاحم واشراط الساعة :۱۷۵/۱] اس کو بزار نے روایت کیا، ہیثمی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا اس کے راوی ثقہ ہیں، ابن ابی شیبہ نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے، یعنی علامہ حمود کے نزدیک بھی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح ہے۔

(۱۰)......غیر مقلدین کے محقق البانی صاحب کے شاگرد خاص جناب عصام موسیٰ ہادی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اپنی کتاب **صحيح اشراط الساعة** کے صفحہ ۱۸۱ پر ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ (کتاب کے نام کے مطابق) یہ حدیث اور مضمون صحیح ثابت ہے۔

دیکھئے! دونوں احادیث میں سے ہر ایک کو اتنے زیادہ محدثین صحیح کہہ رہے ہیں، اس کے بعد قاضی

صاحب کے حدیث کو ''من گھڑت'' قرار دینے کے فیصلے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ یاد رکھیں سر سید اور منکرین حدیث کا یہ طرز تھا کہ اگر کسی آیت کی مشہور معتبر تفسیر پر یا کسی حدیث کے مضمون پر اہل مغرب اعتراض کر دیتے تو یہ لوگ اس مضمون کے ثبوت کا انکار کر دیتے اور قرآن مجید کی غلط تفسیر کرتے اور اس حدیث سے منکر ہو جاتے، یہ عاجزی کی دلیل ہے۔ قاضی صاحب شیعہ کے رد میں اس حد تک جا رہے ہیں کہ جہاں ان کا اعتراض ہوا اور جواب نہ آیا تو سرے سے حدیث کا انکار کرتے ہیں، ایسے ناسمجھ مخلصوں کی کمی نہیں ہے مگر یہ اخلاص کام کا نہیں ہے، یہ ویسا اخلاص ہے جیسے بادشاہ کے باز کا حشر بڑھیا نے یہ کیا تھا کہ اس کے پاؤں کے ناخن اور پنجے اتار دیئے، چونچ کاٹ دی، باز کام کا نہ رہا۔ ایسے ہی دین کی ثابت جزئیات اور باتوں کا انکار کر کر کے آدمی دین کا خاتمہ کر دے گا اور اپنے ایمان کو چھٹی دے دے گا۔

اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ یا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایتوں کی سندوں پر بحث کی جائے، مگر شاید قاضی طاہر علی صاحب اور ان کی کتاب کے قارئین کے ذہن میں شبہات موجود ہوں، اس لیے روایتوں کی سند کے راویوں پر گفتگو کرنا مناسب ہے تاکہ پوری طرح اتمام حجت ہو جائے، پھر کچھ خارجی شبہات کا حل ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ

مسند بزار کی سند:

ثنامحمد بن عثمان بن کرامة ثناعبیدالله بن موسیٰ عن عصام بن قدامة البجلی عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهماقال قال رسول الله ﷺ......

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند:

حدثناوکیع عن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ......

المختارة للضیاء کی سند:

أخبرنا أبوإسماعیل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذه وغیره إن زاهر بن طاهرالشحامی أخبرهم انبأ أحمد بن منصورالمغربی ثنا محمد بن الفضل بن محمد بن إسحاق بن خزیمة انبأ جدی محمد بن إسحاق بن خزیمة ثنا نصربن علی انبأعبدالله بن داؤدعن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما.

امام طحاوی کی سند:

حدثنا فهد بن سلیمان حدثنا أبونعیم حدثنا عِصام بن قُدامة عن عکرمة عن ابن

عباس رضی الله عنهما. [شرح مشکل الآثار: ۲۶۵/۱۴]
غور فرمائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد حضرت عکرمہ ہیں۔

عکرمہ بربری:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام رہے ہیں، حضرات ابن عباس، علی، حسن، ابوہریرہ، ابن عمرو غیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے حضرت ابراہیم نخعی، شعبی، اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ بکثرت راوی روایت لیتے ہیں، یہ درست ہے کہ بعض ائمہ نے ان پر کلام کیا ہے، مگر ان کی جرح مردود ہے، اکثر ائمہ محدثین نے ان کی تعریف وتحسین کی ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أحد أوعية العلم تكلم فيه لرأيه لالحفظه، فاتهم برأى الخوارج، وقدوثقه جماعة، واعتمده البخارى.** [میزان الاعتدال: ۹۳/۳] علم کا ایک خزانہ ہے، ان کی رائے کی وجہ سے ان پر کلام کی گئی ہے، ان کے حفظ حدیث کی وجہ سے ان پر کلام نہیں کی گئی، تو ان پر خارجیوں کی رائے رکھنے کا الزام دیا گیا، ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور امام بخاری نے ان پر اعتماد کیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثقة ثبت عالم بالتفسير لم يثبت تكذيبهٔ عن ابن عمرو لايثبت عنه بدعة. [تقریب التهذیب: ۶۸۵/۱] عکرمہ ثقہ، مضبوط، تفسیر کا عالم ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو جھوٹا کہنا ثابت نہیں ہے، اور نہ ان سے بدعت (خارجی، اباضی نجدی ہونا) ثابت ہے (یعنی جو منقول ہے صحیح ثابت نہیں ہے۔)

امام بخاری فرماتے ہیں:

ليس أحدمن أصحابنا إلا احتج بعكرمة. [التاریخ الکبیر بخاری: ۴۹/۷، طبع حیدرآباد دکن] ہمارے اصحاب محدثین میں سے جو بھی ہے عکرمہ کی روایت سے حجت لیتا ہے۔

امام احمد بن عبداللہ عجلی (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں:

ثقة وهوبرىء ممايرميه الناس به من الحرورية وهوتابعى. [تاریخ الثقات للعجلی: ۳۳۹/۱، **طبع سنه** ۱۹۸۴ء] ثقہ ہیں اور جو لوگوں نے حروری (خارجی) ہونے کا الزام لگایا اس سے بری ہیں، تابعی ہیں۔

امام ابن عدی فرماتے ہیں: عکرمہ سے جب ثقہ راوی روایت کریں تو (حدیث صحیح ہوگی) وہ خود ٹھیک حدیث روایت کرنے والا ہے، ہاں اس سے ضعیف راوی روایت کرے تو کمزوری اس ضعیف کی طرف سے ہوگی نہ کہ عکرمہ کی طرف سے، ائمہ اس سے روایت لینے سے نہیں رکے اور صحیح احادیث جمع کرنے

والے ائمہ نے اس کی جو احادیث ثقہ راویوں سے مروی ہوں صحاح میں داخل کی ہیں۔

[الکامل: ۴۶۹/۶، دارالکتب العلمیہ **بیروت**]

امام دارقطنی نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام **أسماء التابعين ومن بعدهم ممن صحت روايته عن الثقات** ہے، یعنی اس کتاب میں تابعین اور ان کے بعد کے وہ راوی ذکر ہیں جن کی روایتیں ثقہ راویوں سے مروی ہیں تو صحیح ہیں، اس کتاب میں عکرمہ مولی ابن عباس کا نام ۹۴۶ نمبر پر درج ہے، امام ذہبی تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں امام احمد اور بخاری اور جمہور محدثین اس کی روایت سے حجت لیتے ہیں۔[۱۰۶/۳] امام ذہبی نے ایک رسالہ تحریر فرمایا اس کا نام رکھا **من تكلم فيه وهو موثق** جس راوی میں کلام کیا گیا حالاں کہ وہ ثقہ کہا گیا ہے اسمیں ۲۴۶ نمبر پر عکرمہ کا ذکر کیا ہے۔

امام مغلطائی رحمہ اللہ امام محمد بن نصر مروزی سے نقل فرماتے ہیں: **قد أجمع عامة أهل العلم على الاحتجاج بحديثه واتفق على ذلك رؤساء أهل العلم بالحديث من أهل عصرنا، منهم أحمد بن حنبل وابن راهويه وأبو ثور ويحيى بن معين.** [إكمال تهذيب الكمال: ۲۵۵/۹] جمہور علماء کا عکرمہ کی حدیث سے حجت لینے پر اجماع ہے، اور علم حدیث رکھنے والے بڑے علماء جیسے امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، یحییٰ بن معین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے، تهذيب التهذيب میں بہت تفصیل ہے، یہاں اتنی تفصیل کافی ہے۔

عصام بن قدامہ:

عکرمہ سے روایت کرنے والے عصام بن قدامہ بجلی ابو محمد کوفی ہیں، امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: صالح ہے، ابوزرعہ وابوحاتم وابوداؤد فرماتے ہیں: لا بأس به یعنی ثقہ ہے، امام نسائی ثقہ کہتے ہیں: امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر فرمایا ہے۔[تهذيب التهذيب] علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں عصام کو ثقہ کہا ہے، عصام سے روایت کرنے والے امام وکیع، عبیداللہ بن موسیٰ، عبداللہ بن داؤد، ابونعیم ہیں۔

ابونعیم:

یہ ابونعیم فضل بن دُکین کوفی ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں، علامہ ابن حجر نے تہذیب میں پانچ صفحات میں ان کا ترجمہ لکھا ہے، سب محدثین نے ان کی تعریف اور توثیق کی ہے، ابونعیم سے فہد بن سلیمان روایت کرتے ہیں۔

فہد بن سلیمان:

یہ فہد بن سلیمان بن یحییٰ کوفی مصری ہیں، امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں: ثقہ مضبوط تھے، سنہ

۲۷۵ھ میں فوت ہوئے۔[مغانی الأخيار فی شرح أسماء رجال معانی الآثار] فہد سے روایت کرنے والے امام طحاوی ہیں۔

امام ابوجعفر طحاوی:

یہ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ حنفی ہیں، امام ذہبی نے ان کو **إمام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة** سے ذکر کیا ہے، ڈیڑھ صفحہ میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے محدثین سے ان کی تعریف ذکر فرمائی ہے۔[تذكرة الحفاظ] یہاں تک امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار کی سند مکمل ہوئی اور امام طحاوی کی یہ سند بالکل صحیح ہے۔

امام وکیع بن جراح:

امام وکیع بن جراح بن ملیح کوفی امام، حافظ حدیث مضبوط عظیم محدث ہیں، جن کے شاگردوں میں امام احمد اور شافعی ہیں، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، اوزاعی، ابن جریج وغیرہم جیسے بڑے محدثین کے شاگرد ہیں، سنہ ۱۹۷ھ میں وفات ہے، امام وکیع سے امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں، یہاں تک ابن ابی شیبہ کے راوی مکمل ہوئے، اور سند بالکل صحیح ہے۔

مسند بزار کی سند میں عصام سے روایت کرنے والے عبید اللہ بن موسیٰ ہیں۔

عبید اللہ بن موسیٰ:

عبید اللہ بن موسیٰ بن ابی المختار باذام عبسی، کوفی، کے متعلق امام یحییٰ بن معین، ابن عدی فرماتے ہیں: ثقہ ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: سچا اور ثقہ راوی ہے۔ ابوحاتم فرماتے ہیں: سچا اور ثقہ اور حسن الحدیث ہے۔ عجلی فرماتے ہیں: ثقہ ہے، قرآن کا عالم اور علم قرآن میں سردار ہے۔ ابن سعد فرماتے ہیں: ان شاء اللہ ثقہ اور سچا ہے، کثیر الحدیث ہے، بہتر حالت والا ہے۔ ساجی کہتے ہیں: سچا ہے، بعض محدثین نے اس کا تشیع ذکر فرمایا ہے۔ ابن قانع کہتے ہیں کہ: کوفی ہے، صالح ہے، تشیع ظاہر کرتا ہے۔ ساجی کہتے ہیں: سچا ہے تشیع میں افراط ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں: جلا ہوا شیعہ تھا اور اس کی حدیث درست ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا تشیع کا اظہار کرتا ہے۔ یعقوب بن سفیان کہتے ہیں: شیعہ ہے، منکر الحدیث ہے، یاد رہے کہ یہ صحاح ستہ کا راوی ہے۔[تهذيب التهذيب :۵۹۲/۴_۵۹۳، ۵۹۴] علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: ثقہ ہے تشیع کا اظہار کرتا ہے۔[تقریب:۶۴۰/۱] امام ذہبی اس کو **الحافظ الثبت** (مضبوط) کہتے ہیں سنہ ۱۲۰ھ میں ولادت اور سنہ ۲۱۳ھ میں وفات ہوئی۔[تذکرۃ الحفاظ:۲۵۹/۱]

مگر متقدمین میں تشیع ایسا عیب نہیں ہے جس سے ان کی حدیث پر اثر پڑے، علامہ ابن حجر عسقلانی

رحمہ اللہ ابان بن تغلب کے ترجمہ میں (جو ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے) فرماتے ہیں: **فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علیٰ عثمان، وان علیًا کان مصیبًا فی حروبہ، وان مخالفہ مخطیء مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما، وربما اعتقد بعضھم ان علیًا أفضل الخلق بعد رسول اللہ ﷺ واذا کامعتقد ذالکورعًا دینًا صادقًا مجتھدًا فلا ترد روایتہٗ بھذا لاسیما ان کان غیر داعیة.** [تھذیب التھذیب :۱/۱۲۹] متقدمین کی اصطلاح میں تشیع یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں، اور حضرت علی لڑائیوں میں درست رائے پر اور اس کے مخالف خطاء پر تھے، اور کبھی بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل تھے، ایسا عقیدہ والا جب پرہیز گار، دیندار، سچا، مجتہد ہو اس کی روایت مردود نہ ہوگی بالخصوص جب اس نظریہ کی تبلیغ کرنے والا نہ ہو، اور عبید اللہ بن موسیٰ بھی ایسے ہی شیعہ میں سے ہے، نہ کہ رافضی محض جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں بھی یہی ذکر فرمایا کہ تشیع یا تشیع میں غلو جرح نہیں ہے۔

محمد بن عثمان بن کرامہ:

عبید اللہ سے روایت کرنے والا محمد بن عثمان بن کرامہ عجلی کوفی ہے، یہ امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم کا استاذ ہے، اس کے ترجمہ میں تھذیب التھذیب میں محدثین کا جرح کا کوئی کلمہ نہیں ہے محدثین نے اس کو ثقہ کہا ہے تعریف کی ہے۔ [تہذیب: ۶/ ۳۹۱، ۳۹۲] اور محمد بن عثمان سے امام بزار روایت کررہے ہیں، تو امام بزار کی سند کے سب راوی سچے اور ثقہ ہیں نہ ان میں کوئی ضعیف ہے نہ وضاع ہے، تو ان کی سند بھی صحیح ہے جیسا کہ محدثین کے حوالوں سے ذکر ہوا، اب رہی امام ضیاء الدین المقدسی کی سند، تو اس میں عصام بن قدامہ سے روایت کرنے والے عبد اللہ بن داؤد ہیں۔

عبد اللہ بن داؤد:

یہ عبد اللہ بن داؤد بن عامر ہمدانی خُریبی کوفی الاصل ہیں، ثقہ اور عابد ہیں بخاری وسنن اربعہ کے راوی ہیں (تقریب) سنہ ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے، ہشام بن عروہ، اعمش، اوزاعی وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں حسن بن صالح، سفیان بن عیی، مسدد، بندار، فلاس وغیرہم جیسے محدثین ہیں، امام ذہبی ان کو الحافظ، الامام، القدوۃ سے ذکر کرتے ہیں [تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۴۷] تہذیب میں سوا صفحہ پر ان کا ترجمہ ہے، کسی نے ان پر کلام نہیں کیا [تھذیب: ۳/ ۶۰۷، ۶۰۸] عبد اللہ سے روایت کرنے والے نصر بن علی ہیں۔

نصر بن علی:

یہ نصر بن علی بن صہبان جہضمی بصری صغیر ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام نسائی اور ابن خراش اور ابو حاتم فرماتے ہیں: ثقہ ہے۔ محمد بن علی نیشاپوری فرماتے ہیں: حجت ہیں۔ امام احمد لا بأس بہ یعنی ثقہ کہتے ہیں۔ [تھذیب التھذیب: ۷/ ۳۰۶، ۳۰۷] امام ذہبی **الحافظ العلامہ** کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔ سنہ ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے [تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۸، ۷۹] نصر بن علی سے روایت کرنے والے امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ ہیں۔

امام ابن خزیمہ:

یہ امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری ہیں، سنہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۳۱۱ھ میں ۸۹/ سال کی عمر میں فوت ہوئے، امام اسحاق بن راہویہ، احمد بن منیع وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں، ان سے امام بخاری، مسلم نے صحیحین کے علاوہ کتابوں میں روایات لی ہیں، امام ابن حبان جیسے محدث عظیم ان کے شاگرد ہیں، امام ذہبی نے چھ صفحات میں ان کا ترجمہ بیان کیا ہے اور **الحافظ الکبیر إمام الائمہ، شیخ الإسلام** لکھا ہے۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۲۰۷۔۔۔ ۲۱۳] محدثین کے تعریفی الفاظ لکھنے کے محتاج نہیں ہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں: امام تھے، مضبوط تھے، ان کی کوئی مثال نہیں۔ ابن ابی حاتم سے کسی نے ان سے متعلق پوچھا تو فرمایا: افسوس ہمارے بارے میں ان سے پوچھو نہ کہ ہم سے ان کے بارے میں، وہ امام تھے جن کی اقتداء کی جائے۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۲۱۲] امام ابن خزیمہ سے روایت کرنے والے محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں۔

محمد بن الفضل:

یہ محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں، امام ابن خزیمہ کے پوتے ہیں، امام ذہبی **الشیخ الجلیل المحدث** کہہ کر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں انہوں نے اپنے دادا سے سماع حدیث کیا ہے، سنہ ۳۸۷ھ میں فوت ہوئے، تین سو چوراسی میں بیمار ہوئے اور عقل میں تغیر سے زوال عقل ہو گیا، امام ذہبی فرماتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جنہوں نے ان سے حدیث کا سماع کیا درستگی کی حالت میں کیا ہے، زوال عقل کے بعد سماع ممکن ہی نہیں ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۳۹ دار الحدیث قاہرہ] امام محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے احمد بن منصور المغربی ہیں۔

امام احمد بن منصور المغربی:

یہ احمد بن منصور المغربی ہیں، ان کا مستقل تذکرہ ہمیں نہیں مل سکا کئی حفاظ حدیث ائمہ جو مغربی کے

شاگردوں میں ان کے تذکرہ کے ضمن میں تاریخ ابن عساکر، سیر اعلام النبلاء، تذکرۃ الحفاظ میں ذکر ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ائمہ محدثین میں سے ہیں، ان سے روایت کرنے والے زاہر بن طاہر الشحامی ہیں۔

زاہر الشحامی:

یہ ابوالقاسم زاہر بن طاہر بن محمد بن محمد بن احمد الشحامی ہیں نیشاپوری ہیں عالی سند ہونے میں اپنے وقت کے شیخ ہیں، ابوسعد بن السمعانی فرماتے ہیں: یہ شیخ بیدار بکثرت احادیث روایت کرنے والے ہیں۔ سنہ ۴۴۶ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۵۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کا ایک عیب ذکر ہوا کہ نمازوں میں کوتاہی کرتے تھے، لیکن وہ کہتے کہ میرا عذر ہے، تو معذور تھے اور پھر کئی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے لیکن لگتا ہے کہ بعد میں اس کوتاہی سے توبہ کر لی ہوگی۔ [تاریخ بغداد: ۲۱/۸۷] امام ذہبی فرماتے ہیں: روایت میں سچا راوی ہے، نمازوں میں کوتاہی کر لیتے (اپنے کو معذور بتاتے، مرتب) عالی سند ہیں، محدثین نے ان سے بکثرت روایات لیں، ابن عساکر نے ان سے بکثرت روایتیں لی ہیں۔ [المغنی: ۱/۲۳۶] ان سے روایت کرنے والے داؤد بن محمد بن محمود ہیں۔

داؤد بن محمد بن محمود:

یہ ابواسماعیل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذہ ہیں، سنہ ۵۲۰ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۶۰۳ھ میں فوت ہوئے، امام ذہبی نے ان کا تذکرہ تاریخ الاسلام [۱۳/۴۷] میں کیا ہے، یہ بھی بہت بڑے محدثین میں سے ہیں، امام طبرانی کی معجم کبیر کا فاطمہ جوزدانیہ سے سماع کیا، ان سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد امام ضیاء الدین المقدسی ہیں، یہاں تک الأحادیث المختارة للضیاء کی سند مکمل ہوئی، یہ سند بھی اگر صحت کے اعلیٰ درجہ پر نہ ہو تو حسن درجہ پر ضرور ہے۔

گذشتہ بحث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کلابِ حوأب کی سند بالکل صحیح ہے، اس کا انکار اگر کسی نے کیا ہے تو یا تو لاعلمی و جہالت اور ناواقفیت کی بنا پر کیا ہے۔ یا پھر محض ضد، عناد اور مخالفت برائے مخالفت کی بنا پر۔ اول الذکر کا علاج وسعت معلومات ہے یا ماہرین فن اکابر و محققین پر اعتماد۔ جبکہ موخر الذکر کا علاج کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں ہے۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت

قسط:۱۰

زبیر علی زئی:

۵: شیخ[۲۴۳] ثناء اللہ امرتسری نے ''وحدۃ الوجود'' کی دو قسمیں[۲۴۴] بیان کیں:

''مابہ الموجودیت.......وحدۃ الموجودات''

پھر انھوں نے ''وحدۃ الموجودات'' کے تحت وحدت الوجود والے لوگوں کے ''ہمہ اوست[۲۴۵]'' وغیرہ عقائد کا ذکر کیا اور فرمایا:

یہ تشریح ایسی ہے کہ اس کو کوئی اہلِ شرع[۲۴۶] نہیں مان سکتا۔ بدقسمتی سے یہی تشریح زیادہ مشہور بھی ہوگئی ہے۔'' [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۱۴۹۔۱۵۰]

ثابت ہوا کہ امرتسری صاحب بھی مروّجہ[۲۴۷] وحدت الوجود کے سخت[۲۴۸] خلاف تھے اور اسے خلاف شریعت سمجھتے تھے۔

بطورِ فائدہ[۲۴۹] عرض ہے کہ مولانا ابوسعید شرف الدین الدہلوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ شرفیہ میں فرمایا:

''میں کہتا ہوں یہ (مروّجہ) تصوف جوگیوں[۲۵۰] اور سادھوں کا فلسفہ ہے۔ ہمہ اوست کا عقیدہ صریح کفر ہے یہ قرآن وحدیث کی تکذیب ہے۔ اس عقیدہ پر نہ اللہ تعالیٰ معبود رہتا ہے نہ خالق، نہ رازق، نہ عابد، نہ معبود۔ پھر نہ کچھ حلال نہ حرام۔ ایسے خیالات رکھنے والے اور پھر مسلمانی کا دم بھرنے والے حقیقت میں شیطان کے بندے[۲۵۱] ہیں۔ بے ایمان ہیں۔ یہ لوگ محض تقیہ اور نفاق کے طور پر شریعت کا دم بھرتے ہیں۔ رسمی طور پر نہ دل سے۔'' [فتاویٰ شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۱۴۸]

رب نواز دیوبندی کے مشارالیہ مضمون میں پانچ حوالے[۲۵۲] پیش کئے گئے، حالانکہ مذکورہ پانچوں علماء صوفیاء کے مروّجہ[۲۵۳] وحدت الوجود (جس میں خالق ومخلوق میں فرق نہیں کیا جاتا[۲۵۴] بلکہ ہر چیز کو ''خدا'' قرار دیا جاتا ہے) سے بری بلکہ سخت[۲۵۵] مخالف تھے۔

الجواب:

۲۴۳۔ **ثناء اللہ امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کی صحت اور شیخ ابن عربی کی مدح ودفاع کے حوالے سے جو کچھ لکھا پہلے وہ ملاحظہ فرمائیں۔**

ثناء اللہ امرتسری صاحب اور مسئلہ وحدۃ الوجود:

امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''مسئلہ تکفیر شیخ ابن العربی بہت نازک ہے۔مولانا نواب صاحب بھوپال مرحوم''تـکـشـا ر ''میں علامہ شوکانی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے چالیس سال تک شیخ کی تکفیر کی آخر رائے غلط معلوم ہوئی۔تو میں نے رجوع کیا۔نواب صاحب مرحوم شیخ ممدوح کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مولانا نذیر حسین المعروف حضرت میاں صاحب دہلوی شیخ ممدوح کو''شیخ اکبر'' لکھتے ہیں۔[معیار الحق:۱۲۸] حضرت مجدد سرہندی بھی شیخ موصوف کو مقربانِ الٰہی سے لکھتے ہیں۔بڑی وجہ آپ کی مخالفت کی مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔سو دراصل اس کی تفسیر پر مدار ہے جیسی اس کی تفسیر کی جائے ویسا ہی اس کا اثر ہوگا۔خاکسار کے نزدیک اس کی صحیح تفسیر بھی ہوسکتی ہے جس کا ذکر کبھی کبھی اہل حدیث میں کیا گیا ہے۔دوسری وجہ خفگی کی ایمان فرعون ہے مگر شیخ کا قول مندرجہ''فتوحات''اس خفگی کا ازالہ کرتا ہے۔شیخ موصوف نے فتوحات میں فرعون کو مدعی الوہیت لکھ کر ابدی جہنمی لکھا ہے۔اور کسی مقام پر اس کے خلاف ملتا ہے تو وہ متروک ہے یا ماٗول۔اس لیے خاکسار کی رائے میں بھی شیخ ممدوح قابلِ عزت لوگوں میں ہیں رحمہ اللہ۔''[فتاویٰ ثنائیہ:۱/۳۳۴]

مذکورہ عبارت سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱......شوکانی غیر مقلد کے نزدیک وحدۃ الوجود کے علمبردار شیخ ابن عربی کافر نہیں۔

۲......شوکانی کے نزدیک ابن عربی کو کافر قرار دینا غلط رائے ہے۔لہٰذا جو غیر مقلدین ان کی تکفیر کے قائل ہیں وہ بقول شوکانی غلط رائے کی پیروی کرنے والے ہیں۔اور جو غلط رائے کی پیروی کرے اس کا کیا حکم ہے؟ وضاحت کی جائے۔

۳......نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد، ابن عربی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔نواب صاحب کے بارے کیا حکم ہے؟

۴......غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی صاحب نے ابن عربی کو''شیخ اکبر'' کہا ہے۔میاں صاحب کی بابت کیا حکم صادر ہوگا؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ غیر مقلدین کے نزدیک امتی کو امام اعظم کہنا جائز نہیں تو کسی امتی بالخصوص وحدۃ الوجود کے قائل کو شیخ اکبر کہنے کا جواز کہاں سے ملا؟

۵......امرتسری صاحب کے نزدیک اس وحدۃ الوجود کی صحیح تفسیر بھی ہوسکتی ہے جس کے قائل ابنِ عربی ہیں۔ہم آگے [حاشیہ:۲۵۵ میں] غیر مقلد مفتیوں کی عبارت نقل کریں گے کہ وحدۃ الوجود اپنی ہر تعبیر کے ساتھ کفر ہے۔لہٰذا ان غیر مقلد علماء کے فتویٰ کی رُو سے امرتسری صاحب پر سنگین فتویٰ لگتا ہے۔

۶......امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کے علمبردار ابن عربی کا دفاع کیا ہے۔

۷...... امرتسری صاحب نے ابنِ عربی کا دفاع کرتے ہوئے ان کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کا حوالہ دیا ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں ابن عربی کے عقائد کا علم نہیں تھا اور انہوں نے محض سنی سنائی باتوں کو مدار بنا کر ابنِ عربی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

بندہ نے اپنے مضمون ''مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت'' میں مختلف مقامات میں امرتسری صاحب کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی۔علی زئی صاحب نے جس قسط کا بزعمِ خود جواب لکھا، اس میں امرتسری صاحب کا وحدۃ الوجود کی بابت یہ فرمان ''اس کی صحیح تفسیر بھی ہوسکتی ہے'' منقول تھا۔علی زئی صاحب نے اس مرکزی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اپنے قارئین کو پتہ بھی نہیں چلنے دیا کہ اس عبارت کا کوئی وجود بھی ہے۔

علی زئی صاحب دوسروں سے مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ جواب وہی معتبر ہوگا جس میں مضمون کی پوری عبارت نقل کرکے ہر مطلوبہ بات کا جواب دیا جائے۔ [توضیح الاحکام ۱/۳۴۳] اور خود کا حال یہ ہے کہ پورے مضمون کو نقل کرنا تو کجا جو مرکزی جواب طلب عبارت ہوا سے بھی نہ نقل کرتے ہیں اور نہ اس کا جواب دیتے ہیں۔

۲٤٤ علی زئی صاحب نے امرتسری صاحب کی بیان کردہ وحدۃ الوجود کی پہلی تشریح نقل نہیں کی۔ہم یہاں اسے نقل کرتے ہیں۔

امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''رسالہ ''معارف'' اعظم گڈھ میں مسئلہ وحدۃ الوجود لکھتے ہوئے راقم مضمون [امرتسری صاحب (ناقل)] نے ایک فقرہ یہ بھی لکھ دیا کہ ہم نے مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق دریافت کیا تھا، وحدۃ الوجود کے سوا چارہ نہیں۔'' [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۱۴۸]

آگے لکھتے ہیں:

''وحدۃ الوجود کی دو تشریحیں ہیں، ان دونوں میں وجود کے معنی قابلِ غور ہیں۔وجود کے اصلی معنی ہیں مابہ الموجودیت یعنی جس کی وجہ سے کوئی چیز موجود ہوجائے۔اس کی پہلی تشریح یہ ہے کہ جتنی اشیاء نظر آتی ہیں ان سب کا وجود یعنی مابہ الموجودیت صرف ایک ہی چیز ہے۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ نے اس کے متعلق ایک پُر معنی رباعی لکھی ہے۔

لاآدم فی الکون ولا ابلیس   لاملك سلیمان ولابلقیس

فالكل عبارة وأنت المعنى　　　　یامن ھو للقلوب مقناطیس

شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی چیز کی مستقل ہستی نہیں ہے یہ سب تیری قدرت کے نشان ہیں اور تیری طرف توجہ دلانے والے ہیں۔یہی مضمون ایک اردو شاعر نے یوں ادا کیا ہے ؎

نظر آتا ہے جو کچھ نورِ وحدت کی تجلّی ہے　　　یہ نقش اہل بصیرت کے لیے وجہ تسلّی ہے

اس تشریح کے مطابق وحدۃ الوجود کی مثال یہ ہے کہ کسی مکان کی کوٹھریوں میں مختلف رنگ کے شیشے لگا دیئے جائیں۔کوئی سفید،کوئی سبز،کوئی سیاہ۔ان کے پیچھے ایک لیمپ رکھ دیا جائے تو باہر سے دیکھنے والا ان شیشوں کو مختلف رنگوں میں دیکھے گا مگر باریک نظر والا لیمپ کی وحدت کو دیکھے گا۔قرآن مجید بھی اس تشریح کی طرف اشارہ کرتا ہوئے فرماتا ہے۔اللہ نور السموات والارض۔اس تشریح کے مطابق وحدۃ الوجود کے معنی وحدۃ الموجد کے ہوں گے۔جو بالکل ٹھیک ہے۔مولانا سیالکوٹی کا مطلب غالباً یہی ہوگا۔''

[فتاویٰ ثنائیہ:۱/۱۴۹]

اس عبارت سے چند فوائد ثابت ہوتے ہیں۔

۱......میر ابراہیم سیالکوٹی صاحب غیر مقلد نے اقرار کیا کہ وحدۃ الوجود کو مانے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

۲......امرتسری صاحب نے ابنِ عربی کی تعظیم میں ان کو ''شیخ اکبر'' کہا۔

۳......امرتسری صاحب نے ابن عربی کو قدس اللہ سرہ الفاظ سے دعا دی ہے۔عطاء اللہ صاحب غیر مقلد کہتے ہیں: جو کسی صوفی بزرگ کو قدس سرہ الفاظ سے دعا دے وہ اسی کا ہم مذہب ہے۔

[عقیدہ صوفیت:۱۹۰]

۴......امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کی تشریح میں ابن عربی کا قول بطورِ استدلال پیش کیا ہے۔

۵......امرتسری صاحب نے جو ابنِ عربی کی رباعی پیش کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

''نہ آدم کی ذات ہے اور نہ ہی ابلیس کی،نہ سلیمان کی بادشاہت ہے اور نہ ہی بلقیس کی، یہ سب عبارت ہیں اور تو ہی معنی ہے،اے وہ ذات (اللہ) جو دلوں کے لیے مقناطیس ہے۔''

کیا یہ بات درست ہے کہ اس رباعی میں آدم،ابلیس،سلیمان اور بلقیس کو ''عبارت'' اور اللہ کی ذات کو اس عبارت کا ''معنیٰ'' کہا ہے؟

۶......مختلف شیشے اور لیمپ کی مثال سے تاثر ملتا ہے کہ جس طرح روشنی ایک ہی ہے اگرچہ ظاہر میں شیشوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے وہ روشنی الگ الگ رنگ میں دکھائی دیتی ہے۔اس طرح اصل وجود ایک ہی یعنی اللہ کا ہے اور باقی کائنات شیشوں کی مانند ہے۔کیا امرتسری صاحب یہی باور کرانا چاہتے

ہیں؟ اگر نہیں تو ان کی مراد واضح کی جائے۔

۷......وحدۃ الوجود کی اس پہلی تشریح کو امرتسری صاحب نے ''بالکل ٹھیک ہے'' کہا ہے۔

۸...... بلکہ امرتسری صاحب نے اس وحدۃ الوجود کے اثبات میں قرآن کی آیت: اللہ نور السموات والارض کو پیش کیا ہے۔

امرتسری صاحب کی طرف سے وحدۃ الوجود کو صحیح کہنا، اسے قرآن کی آیت سے ثابت ماننا، وحدۃ الوجود کے ضروری ہونے کو سیالکوٹی کی طرف منسوب کرنا، ابن عربی کی تعظیم کرنا اور ان کے قول سے استدلال کرنا وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جو علی زئی صاحب کے ذوق کے خلاف تھیں اس لیے انہوں نے امرتسری صاحب کی عبارت کا یہ حصہ نقل نہیں کیا۔

اگلے صفحہ پر امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کے متعلق ''اطلاع'' عنوان سے جو کچھ لکھا علی زئی صاحب نے اسے بھی نقل نہیں کیا۔

امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''اطلاع: ناظرین کی آگاہی کے لیے میں بتاتا ہوں کہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت مجدد صاحب سرہندی کا ایک مکتوب اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا بھی ایک عربی مکتوب شائع شدہ ہے۔ناظرین اس سے مزید فائدہ اُٹھائیں۔ مولانا حالیؒ نے اس کے متعلق ایک رباعی لکھی ہے جو یہ ہے ؎

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا ۔۔۔ مُسلم نے حرم میں راگ گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے ۔۔۔ انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

[فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۱۵۰]

فتاویٰ ثنائیہ [۱/۱۵۰] سے علی زئی نے یہ تو نقل کر دیا کہ ''یہ تشریح ایسی ہے کہ....'' مگر اسی صفحہ پر اطلاع ''عنوان'' سے امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کی جو تائید کی ہے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔

۲۴۵ امرتسری صاحب ''ہمہ اوست'' والی اصطلاح کو اگر نہیں مانتے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ وحدۃ الوجود کی کسی تعبیر کو درست نہیں سمجھتے۔ اوپر حاشیہ ۲۴۳، ۲۴۴ میں وحدۃ الوجود کے اثبات پر ہم فتاویٰ ثنائیہ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔

۲۴۶ ''ہمہ اوست'' کی اصطلاح کو اہل شرع مانتے ہیں یا نہیں، یہاں یہ بحث نہیں ہے۔ بحث یہ ہے کہ امرتسری صاحب وحدۃ الوجود کو درست سمجھتے ہیں جیسا کہ اوپر حاشیہ ۲۴۳، ۲۴۴ میں مذکور ہے۔ لہٰذا ان پر فتویٰ لگایا جائے۔

۲۴۷ مروّجہ کی قید کا کیا مقصد ہے؟ یہی کہ وہ غیر مروّجہ وحدۃ الوجود کو مانتے ہیں، مروّجہ کو نہیں۔ مگر یاد

رہے کہ وحدۃ الوجود کے معاملہ میں تشدد رکھنے والے غیر مقلدین کے نزدیک وحدۃ الوجود مروّجہ ہو یا غیر مروّجہ کفریہ عقیدہ ہے جیسا کہ آگے [حاشیہ ۲۵۵ میں] آ رہا ہے۔ہم اوپر [حاشیہ:۲۴۴ میں] امرتسری صاحب کی عبارت فتاویٰ ثنائیہ سے نقل کر آئے ہیں کہ انہوں نے وحدۃ الوجود کی تشریح میں ابن عربی کے قول سے استدلال کیا ہے۔اس لیے یہاں بتایا جائے ابنِ عربی آپ کی مزعومہ مروّجہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے یا غیر مروّجہ؟لاآدم فی الکون ولا ابلیس...رباعی میں مروّجہ وحدۃ الوجود کا بیان ہے یا غیر مروّجہ کا؟

علی زئی صاحب !امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کی تشریح میں بطورِ دلیل ابن عربی کی رباعی پیش کی ہے اس لیے آپ کہہ دیتے کہ امرتسری صاحب ابن عربی والی وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔

۲۴۸ ''سخت خلاف تھے'' مگر کیسے؟امرتسری صاحب ابنِ عربی کو شیخِ اکبر کہتے ہیں،انہیں قدس اللہ سرہ کی دعا دیتے ہیں،انہیں قابلِ تعظیم سمجھتے ہیں،ان کا دفاع کرتے ہیں،وحدۃ الوجود کو صراحۃً صحیح کہتے ہیں،اس کی تشریح میں ابنِ عربی کی رباعی پیش کرتے ہیں اور وحدۃ الوجود کے اثبات میں لکھی گئی تحریروں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔اس سب کے ہوتے ہوئے امرتسری صاحب وحدۃ الوجود کے ''سخت خلاف'' کیسے ہیں؟

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''جب تک وہ اپنے ان اکابر سے صحیح براءت نہ کریں اس وقت تک ان کا وہی حکم ہے جو ان اکابر کا ہے۔'' [بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم:۳۲]

امرتسری صاحب نے ابنِ عربی کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ان کی رباعی کو وحدۃ الوجود کی تشریح میں بطورِ استدلال پیش کیا ہے وغیرہ اس لیے جب تک غیر مقلدین امرتسری صاحب کی ابنِ عربی سے صراحۃً براءت ثابت نہ کر دیں تب تک علی زئی اصول کی رُو سے ان کا اور ابنِ عربی کا ایک ہی حکم ہوگا۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''المرأ مع من أحب إليه کی رو سے اس کا اور علماء دیوبند کا ایک ہی حکم ہے۔''

[بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم:۱۳]

امرتسری صاحب کو نہ صرف ابن عربی سے محبت ہے بلکہ عقیدت بھی ہے دیکھئے حاشیہ:۲۴۳، ۲۴۴۔لہٰذا امرتسری صاحب کا اور ابن عربی کا حکم علی زئی اصول کے مطابق ایک ہی ہوگا۔علی زئی صاحب کے بقول ابنِ عربی حلولی ہیں اور وہ اس وحدۃ الوجود کے قائل ہیں جس میں خالق ومخلوق کا فرق مٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ آگے متن میں آئے گا۔

البتہ محقق علماء اور بعض غیر مقلدین کی تصریح کے مطابق ابن عربی کے بارے میں یوں کہہ سکتے

ہیں کہ ابنِ عربی کی کتابوں میں لوگوں نے تحریف کردی تھی، مگر فتاویٰ ثنائیہ کی عبارت میں جو ابنِ عربی کی رباعی منقول ہے وہ امرتسری صاحب نے بطورِ استدلال خود نقل کی ہے، اسے الحاق کہنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ وحدۃ الوجود صوفیاء کا عقیدہ ہے، دیکھیے متن کی عبارت۔ جب کہ امرتسری صاحب صوفیاء کرام: معین الدین چشتی، علی ہمدانی، نظام الدین اور مجدّد سرہندی رحمہم اللہ کو دینِ اسلام کا خادم اور متبع سنت کہتے ہیں چنانچہ وہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''ان بزرگانِ دین کی خدمت اسلام سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان بزرگوں کے حالات جو صحیح طور پر ہمیں پہنچے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنے اپنے مسلک کے مطابق متبع سنت تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کا مندرجہ ذیل فقرہ ممدوح کے مسلک کی خبر دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: سب سے بہترین آلہ خدا کی محبت پیدا کرنے اور غیر خدا کی محبت دل سے نکال دینے کا اتباع سنت ہے۔'' [فتاویٰ ثنائیہ: ۱۵۱/۱]

۲۴۹ اس ''فائدہ'' کے لکھنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ بحث تو امرتسری صاحب کے عقیدہ کی ہو رہی ہے، یہاں دہلوی صاحب کا عقیدہ زیرِ بحث نہیں۔ مگر چونکہ علی زئی صاحب نے ''فائدہ'' کے طور پر ان کی طرف سے ایک بات نقل کی ہے تو ہم بھی بطورِ فائدہ کے ان کی تحریر یہاں نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ شرف الدین دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''محدثین کی طرف مجلس واحد کی تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں کلام ہے، یہ سخت مغالطہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے لے کر سات سو سال تک کے سلف صالحین صحابہ وتابعین ومحدثین سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا تو ثابت نہیں ....اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہؓ، تابعینؒ، وتبع تابعینؒ وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے، یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے، جو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں، یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا، تو اس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں، اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابنِ قیمؒ پر مصائب برپا

ہوئے، ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کیے گئے، اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی... ہاں تو جب کہ متاخرین علماء اہل حدیث عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے معتقد ہیں، اس لئے ہمارے اصحاب فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور اس کے خلاف کو رد کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے۔'' [فتاویٰ ثنائیہ: ۲/۲۱۷، ۲۲۰]

۲۵۰ دہلوی صاحب جوگیوں کی اصطلاح ''ہمہ اوست'' کے حوالے سے اپنی رائے لکھ رہے ہیں، اسے تمام غیر مقلدین کی طرف منسوب نہیں کر رہے۔ دوم: وہ ''ہمہ اوست'' اصطلاح کی مذمت کر رہے ہیں، انہوں نے وحدۃ الوجود کی دیگر تعبیروں کی مذمت نہیں کی۔ فتاویٰ ثنائیہ جن کی نظروں سے گزرا ہے وہ جانتے ہیں کہ شرف الدین دہلوی صاحب، ثناء اللہ امرتسری صاحب کے فتاویٰ سے جہاں کہیں اختلاف کرتے ہیں تو ''شرفیہ'' کا عنوان لگا کر اختلافی نوٹ لکھ دیتے ہیں۔ مگر امرتسری صاحب نے جہاں ابنِ عربی کو قابلِ عزت لکھا ہے، ان کا دفاع کیا، قدس اللہ سرہ کے الفاظ سے دعا دی، وحدۃ الوجود کو صحیح کہا اور وحدۃ الوجود کے اثبات پر ابنِ عربی کی رباعی پیش کی، وحدۃ الوجود کے اثبات پر لکھی گئی تحریروں کو مفید بتایا وغیرہ۔ ان سب مقامات پر دہلوی صاحب خاموش رہے، کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔ دیکھئے [فتاویٰ ثنائیہ ۱/۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۳۳۴] اس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ جوگیوں کے خود ساختہ تصوف کے مخالف ہیں، ابن عربی وغیرہ صوفیاء کے نہیں۔

۲۵۱ دہلوی صاحب ''ہمہ اوست'' کے قائل جوگیوں کو شیطان کے بندے، بے ایمان، تقیہ باز اور منافق کہہ رہے ہیں۔ یہی کچھ غیر مقلد لکھاری اپنے ہم مذہب علماء کو ایک عرصہ پہلے کہہ چکے ہیں۔ رسائل اہل حدیث وغیرہ کتابیں دیکھ لیں۔

۲۵۲ پانچ حوالوں سے مراد میاں نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خان، وحید الزمان، عبداللہ روپڑی اور ثناء اللہ امرتسری کے حوالے ہیں۔ ان کے وحدۃ الوجودی ہونے پر حوالہ جات پچھلے صفحات میں اپنے اپنے مقام پر درج ہو چکے ہیں۔

۲۵۳ علی زئی صاحب بار بار مروّجہ کی قید ذکر کرتے ہیں۔ اگر وہ وحدۃ الوجود کی کسی تعبیر مثلاً غیر مروّجہ کو صحیح سمجھتے ہیں تب تو مروّجہ کی قید ٹھیک ہے۔ اگر وہ مطلقاً وحدۃ الوجود کو گمراہی قرار دیتے ہیں تو مروّجہ کی قید کا ذکر کرنا بے فائدہ ہے، اسی طرح کسی غیر مقلد کو صرف مروّجہ وحدۃ الوجود کا مخالف کہنا بھی دفاع کے لیے کافی نہ ہوگا۔

۲۵۴ ذرا امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب کی اس عبارت پر غور کریں:

''وجود سب ممکنات کا عین خدا ہے۔'' [رفع العجاجه:۱/۵۰۷]

بندہ نے مذکورہ عبارت پیش کی تھی۔اس عبارت کے ہوتے ہوئے علی زئی صاحب نے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا بلکہ بزعمِ خود ان کا دفاع کیا۔لیکن ان کا دفاع بالکل ہی بوگس ہے جیسا کہ پیچھے ہم ذکر آئے ہیں۔

داؤد راز صاحب غیر مقلد حدیثِ نبوی ''آگاہ رہو،اللہ کے سوا سب باطل ہے'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''باطل سے یہاں مراد فنا ہونا ہے یا بالفعل معدوم،جیسے صوفیا کہتے ہیں کہ خارج میں سوائے خدا کے فی الحقیقت کچھ وجود نہیں ہے اور یہ وجود موہوم ہے۔'' [شرح بخاری اردو:۵/۲۴۳]

امرتسری صاحب نے وحدۃ الوجود کی تائید میں ابن عربی کی رباعی پیش کی ہے جس میں یہ جملہ بھی ہے''فالکل عبارۃ و أنت المعنی '' کہ آدم وغیرہ مخلوقات عبارت ہیں اور یا اللہ تو اس عبارت کا معنی ہے۔اس کے متعلق کیا فرمائیں گے؟ابن عربی کی کتاب میں عبارت ہو تو ان کے متعلق علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ:ابن عربی حلولی ہے اور یہ کہ وہ خالق ومخلوق میں فرق نہیں کرتے مگر جب وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں امرتسری صاحب ابن عربی کی پیروی کرتے ہیں،ان کی بیان کردہ وحدۃ الوجود کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی صحیح تفسیر ہوسکتی ہے اور ان کے دفاع کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ امرتسری خالق ومخلوق میں فرق مٹا دیئے جانے والی وحدۃ الوجود کے قائل نہیں!!!

اس کے ساتھ یہ جان لیں کہ علی زئی صاحب اور ان کے ہم مذہب لوگ جن صوفیاء بالخصوص ابن عربی کو خالق ومخلوق میں فرق مٹا دیئے جانے والی وحدۃ الوجود کا قائل بتاتے ہیں انہی صوفیاء کو غیر مقلدین تارکِ تقلید اہلِ حدیث قرار دیتے ہیں جیسا کہ ہم اپنے رسالے''مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت'' میں حوالہ جات نقل کر چکے ہیں۔اور غیر مقلدین کی طرف سے ابن عربی کو اہل حدیث قرار دینے کے حوالے اسی کتاب میں آئندہ درج ہوں گے۔ان شاءاللہ۔

۲۵۵ یہ کہنا کہ غیر مقلدین اس وحدۃ الوجود کے سخت خلاف تھے،جس میں خالق ومخلوق کا فرق مٹا دیا جاتا ہے اس میں کتنی صداقت ہے اس کے لیے حاشیہ:۲۵۴ ملاحظہ فرمائیں۔نیز یہ بھی معلوم رہے کہ متعدد غیر مقلدین وحدۃ الوجود خواہ اس کی کوئی بھی تعبیر ہو کفریہ عقیدہ کہتے ہیں۔

چنانچہ غیر مقلدین کے''فضیلۃ الشیخ''عبدالعزیز نورستانی صاحب لکھتے ہیں:

''وحدۃ الوجود یا توحید وجودی کی تعبیر جو بھی،جیسے بھی،جس بھی خوب صورت اور بہتر سے بہتر طریقے سے کرے وہ کفر اور زندقہ ہی ہے،باطل ہی باطل ہے چاہے جتنی بھی اس کی بہتر اور مختلف انداز سے

تعبیر کی جائے۔‘‘[ڈاکٹر اسرار صاحب کا نظریہ توحید الوجودی اور اس کا شرعی حکم:۱۴]

نورستانی صاحب کے اس فتوے کی محمد رفیق اثری صاحب، ارشاد الحق اثری، حافظ محمد شریف صاحب غیر مقلدین نے تصدیق کی ہے بلکہ ٹائٹل پہ لکھی گئی عبارت’’تائید:...نائب شیخ الحدیث اللہ یار حفظہ اللہ...شیخ الحدیث عبدالرحمٰن شاہین حفظہ اللہ‘‘ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ یار غیر مقلد اور شاہین غیر مقلد نے اس نورستانی فتوے کی تائید کی ہے۔اور استفتاء تیار کر کے نورستانی وغیرہ آلِ غیر مقلدیت سے فتوے طلب کرنے اور پھر اس کا ابتدائیہ لکھنے والے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد ہیں۔ان سب آلِ غیر مقلدیت کا اتفاق ہے کہ وحدۃ الوجود کی ہر تعبیر کفر وزندقہ ہے، لہٰذا آلِ غیر مقلدیت نے وحدۃ الوجود کی جو جو بھی تعبیر اختیار کی ہو وہ مذکورہ غیر مقلدین کی تصریح کے مطابق کفر وزندقہ ہے۔اس لیے امرتسری صاحب وغیرہ آلِ غیر مقلدیت کے دفاع میں یہ کہنا باطل ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کی جس تعبیر کو اختیار کیے ہوئے ہیں وہ کفریہ نہیں۔

آخر میں یہ بھی کہہ دوں کہ وحدۃ الوجود کی وجہ سے غیر مقلدین اپنے بزرگ ثناء اللہ امرتسری صاحب پر جو فتوی لگائیں ان کی مرضی ہے مگر اتنا معلوم رہے کہ امرتسری صاحب پر ان کی زندگی میں متعدد غیر مقلد علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا اور قریبا سو علمائے غیر مقلدین نے ان کے گمراہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ الاربعین، فتنۂ ثنائیہ، فیصلہ مکہ، الفیصلة الحجازية اور مظالم روپڑی وغیرہ رسائل دیکھیں۔یہ رسائل، رسائل اہل حدیث نامی کتاب میں شامل ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

صفحہ نمبر 22 کا بقیہ

بالخصوص محمد عمار خان صاحب ناصر، دین کی تعبیر وتشریح اور مسائل کی تحقیق وتنقیح میں ایسے افراد کے بجائے اپنے دادا بزرگوار حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ......کی تحقیقات وتوضیحات کو اپنے لیے حرزِ جان بناتے تو یقیناً اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آتے......

حقیقت پسند، منصف مزاج، متلاشیِ حق اور طالب ہدایت کے لیے تو یہی کچھ کافی ہے جو ہم نے پیش کر دیا ہے۔البتہ جس کے نورِ بصارت پر خود رائی کا نقطہ آجائے تو وہ نورِ بصیرت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ایسے شخص کے لیے کتابوں کے دفتر اور دلائل کے انبار بھی بیکار ہیں ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل و ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است